تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل

جماعتِ اسلامی پاکستان کے اجتماعِ ارکان کا فیصلہ

فروری ۱۹۵۷ء کے تیسرے ہفتہ میں جماعت اسلامی پاکستان کے ارکان کا ایک اہم اجتماع بہاولپور ڈویژن کے ایک غیر معروف قریہ ماچھی گوٹھ نامی میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجتماع میں جماعت کے پچھلے کام اور آئندہ کام کے بارے میں جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ ایک قرارداد پر مشتمل ہے۔ اور اس پر بحث کے سلسلے میں جو تقریریں کی گئی ہیں انہیں تحریکِ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بڑی تعلیمی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے ان صفحات میں اجتماع کی روداد کا یہ حصہ درج کیا جا رہا ہے۔

قرارداد

جماعت اسلامی پاکستان اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتی ہے کہ اب سے پندرہ سال قبل جس نصب العین کو سامنے رکھ کر، اور جن اصولوں کی پابندی کا عہد کر کے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا، آج تک وہ اسی منزلِ مقصود کی طرف انہی اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اس طویل اور کٹھن سفر کے دوران میں اگر اس سے اقامتِ دین کے مقصد کی کوئی خدمت بن آئی ہے تو وہ سراسر اللہ کا فضل ہے جس پر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہے۔ اور اگر کچھ کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہوئی ہیں تو وہ اس کے اپنے ہی قصور کا نتیجہ ہیں جن پر وہ اپنے مالک سے عفو و درگزر اور مزید ہدایت و توفیق کی دعا کرتی ہے۔

جماعت اسلامی اس بات پر مطمئن ہے کہ تحریک اسلامی کا جو لائحہ عمل نومبر ۱۹۵۱ء میں ارکان کے اجتماعِ عام منعقدہ کراچی میں امیر جماعت نے مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے پیش کیا تھا وہ بالکل صحیح توازن کے

ساتھ مقصد تحریک کے تمام نظری اور عملی تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اور وہی آئندہ بھی اس تحریک کا لائحہ عمل رہنا چاہیے۔

اس لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء (یعنی تطہیر افکار و تعمیر افکار، صالح افراد کی تلاش و تنظیم و تربیت اور اجتماعی اصلاح کی سعی) تو جماعت اسلامی کی تشکیل کے پہلے ہی دن سے اس کے لائحہ عمل کے اجزاء لازم رہے ہیں، البتہ ان کو عمل میں لانے کی صورتیں حالات و ضروریات کے لحاظ سے اور جماعت کے وسائل و ذرائع کے مطابق بدلتی رہی ہیں۔ ان کے بارے میں جماعت اب یہ طے کرتی ہے کہ آئندہ کوئی دوسرا اجتماعی فیصلہ ہونے تک ان تینوں اجزاء کو اُس پروگرام کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے جو اس قرارداد کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا جا رہا ہے۔ نیز جماعت کا یہ اجتماع عام مجلس شوریٰ، اور تمام حلقوں، اضلاع اور مقامات کی جماعتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اس پروگرام پر اس حد تک زور دیں کہ لائحہ عمل کے چوتھے جزء کے ساتھ جماعت کے کام کا ٹھیک توازن قائم ہو جائے اور قائم رہے۔

اس لائحہ عمل کا چوتھا جزء، جو نظام حکومت کی اصلاح سے متعلق ہے، درحقیقت وہ بھی ابتداہی سے جماعتِ اسلامی کے بنیادی مقاصد میں شامل تھا۔ جماعت نے ہمیشہ اس سوال کو زندگی کے عملی مسائل میں سب سے اہم اور فیصلہ کن سوال سمجھا ہے کہ معاملاتِ زندگی کی زمام کار صالحین کے ہاتھ میں ہے یا فاسقین کے ہاتھ میں، اور حیاتِ دنیا میں امامت و رہنمائی کا مقام خدا کے مطیع فرمان بندوں کو حاصل ہے یا اس کی اطاعت سے آزاد رہنے والوں کو۔ جماعت کا نقطۂ نظر ابتدا سے یہ ہے کہ اقامتِ دین کا مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اقتدار کی کنجیوں پر دین کا تسلط قائم نہ ہو جائے۔ اور جماعت ابتدا ہی سے یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھتی ہے کہ دین کا یہ تسلط یک لخت کبھی قائم نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ ایک تدریجی عمل ہے جو غیر دینی نظام کے مقابلے میں دینی نظام چاہنے والوں کی پیہم کشمکش اور درجہ بدرجہ پیش قدمی سے ہی مکمل ہوا کرتا ہے۔ جماعت اسلامی نے اس مقصد کے لیے تقسیم ہند سے پہلے اگر عملاً کوئی اقدام نہیں کیا تھا تو اس کی وجہ مواقع کا فقدان اور ذرائع کی کمی بھی تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ اس وقت کے نظام میں اس مقصد کے لیے کام کرنے میں بعض شرعی موانع تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جب اللہ تعالیٰ

نے موانع اور ذرائع دونوں فراہم کر دیے اور شرعی موانع کو دور کرنے کے امکانات بھی پیدا کر دیے تو جماعت نے اپنے لائحہ عمل میں اس چوتھے جزو کو بھی، جو اس کے نصب العین کا ایک لازمی تقاضا تھا شامل کر لیا۔ اس میدان میں دس سال کی جد و جہد کے بعد اب غیر دینی نظام کی حامی طاقتوں کے مقابلے میں دینی نظام کے حامیوں کی پیش قدمی ایک اہم مرحلے تک پہنچ چکی ہے۔ ملک کے دستور میں دینی نظام کے بنیادی اصول منوائے جا چکے ہیں۔ اور ان منوائے ہوئے اصولوں کو ملک کے نظام میں عملاً نافذ کرانے کا انحصار اب قیادت کی تبدیلی پر ہے۔ اس موقع پر ایک صالح قیادت بروئے کار لانے کے لیے صحیح طریق کار یہی ہے کہ اس لائحہ عمل کے چاروں اجزا باہم توازن کے ساتھ اس طرح کام کرتے ہوئے آگے بڑھا جائے، کہ ہر جز کا کام دوسرے جز کے لیے موجب تقویت ہو، اور جتنا کام پہلے تین اجزا میں ہوتا جائے، اسی نسبت سے ملک کے سیاسی نظام میں دینی نظام کے حامیوں کا نفوذ و اثر عملاً بڑھتا چلا جائے۔ مگر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ توازن قائم نہ رہنے کو کسی وقت بھی اس لائحہ عمل کے کسی جز کو ساقط یا معطل یا مؤخر کر دینے کے لیے دلیل نہ بنایا جا سکے گا۔

علاوہ بریں چونکہ جماعت اسلامی اپنے دستور کی رو سے اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لیے جمہوری و آئینی طریقوں پر کام کرنے کی پابند ہے، اور پاکستان میں اس اصلاح و انقلاب کے عملاً رونما ہونے کا ایک ہی آئینی راستہ ہے، اور وہ ہے انتخابات کا راستہ، اس لیے جماعت اسلامی ملک کے انتخابات سے بے تعلق تو بہرحال نہیں رہ سکتی، خواہ وہ ان میں بلاواسطہ حصہ لے یا بالواسطہ یا دونوں طرح۔ رہا یہ امر کہ انتخابات میں کس وقت ان تینوں طریقوں میں سے کس طریقے سے حصہ لیا جائے، اس کو جماعت اپنی مجلس شوریٰ پر چھوڑتی ہے تاکہ وہ ہر انتخاب کے موقع پر حالات کا جائزہ لے کر اس کا فیصلہ کرے۔

(وہ پروگرام جس کا ذکر اس قرارداد کے پیراگراف نمبر ۳ میں کیا گیا ہے حسب ذیل ہے:)

۱۔ جماعت کی اندرونی اصلاح کا پروگرام

۱۔ تمام مقامی جماعتیں اس امر کا خاص اہتمام کریں کہ اگر ان کے ارکان اور رفقائے جماعت کے

درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اسے ہرگز پرورش پانے نہ دیا جائے بلکہ علم میں آتے ہی فوراً اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ جس حلقہ کی کسی ماتحت جماعت میں کوئی خرابی رونما ہو اس کے نظم کو جلدی سے جلدی خود اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، اور اگر اس کو کسی بیرونی مدد کی ضرورت ہو تو ضلع اور حلقے کے نظم سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

۳۔ ہر حلقہ کی جماعت اپنے حلقے کے عمدہ کارکنوں کی ایک ٹیم مقرر کرے جس سے بوقت ضرورت اصلاحِ حال اور کمزور علاقوں میں کام کو آگے بڑھانے کے لیے کام لیا جائے۔

۴۔ جہاں کسی حلقے کے نظم کی حالت خود قابلِ اصلاح ہو وہاں مرکز کی ہدایات کے ماتحت اصلاحِ حال کے لیے باہر سے کارکن بھیجے جائیں جو حالات کا مطالعہ کر کے خرابی کے اسباب متعین، اور اصلاح کی تدابیر تجویز کریں اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی صورتیں اختیار کریں۔ اس غرض کے لیے ایک مرکزی ٹیم بھی مقرر کی جائے جس کے ارکان جہاں بھی اس طرح کی کوئی ضرورت پیش آئے بروقت بھیج دیے جائیں، اور انہیں اصلاحِ حال کے لیے تمام مناسب اقدام کرنے کا پورا اختیار رہے۔

۵۔ جماعت کے اندر خرابیوں کے در آنے کی ایک بڑی وجہ محاسبہ کی کمی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مقامی، ضلعی اور حلقوں کے ہفتہ وار، سہ ماہی اور شش ماہی اجتماعات پابندی کے ساتھ منعقد کیے جائیں اور ان میں ارکان کی اخلاقی و دینی حالت، ان کے معاملات، اور جماعت کے نظم میں ان کے طرزِ عمل کا اچھی طرح محاسبہ کیا جاتا رہے۔ اور اگر کوئی کارکن اصلاح کی تمام کوششوں کے باوجود درست نہ ہو تو جماعت سے اس کے اخراج کی کارروائی میں بے جا تساہل سے کام نہ لیا جائے۔

۶۔ کارکنوں کی تربیت کے لیے تربیت گاہیں خاص اہتمام کے ساتھ برابر قائم کی جاتی رہیں اور تربیت گاہوں کے اختتام کے بعد بھی اس امر کا اہتمام کیا جائے کہ کارکنانِ جماعت قرآن و حدیث اور دینی لٹریچر کا برابر مطالعہ کرتے رہیں۔ تربیت کے طریقے میں اب تک کے تجربات کو ملحوظ

رکھ کر جن اصلاحات کی ضرورت محسوس کی جائے وہ مختلف حلقوں کی مجالسِ شوریٰ کی طرف سے ۱۵ اپریل ۷۵ تک مرکز میں بھیج دی جائیں تاکہ مرکزی مجلس شوریٰ ان پر غور کرکے تربیت کا ایک بہتر نظام تجویز کرسکے۔

۷۔ مشرقی پاکستان کے کارکنوں کی تربیت کی طرف خاص توجہ کی جائے اور اس حد تک انھیں تیار کر دیا جائے کہ وہ اپنے حلقے میں تربیت کا کام خود سنبھال سکیں۔

۲۔ علمی و فکری میدان میں کام کا پروگرام

۱۔ جماعت کا تمام ضروری لٹریچر ۱۹۵۸ء کے اختتام تک انگریزی میں منتقل کر دیا جائے۔

۲۔ علمی تحقیقات کی تربیت کا ایک ادارہ قائم کیا جائے، اور جب تک ایسا ادارہ قائم نہ ہو سکے، اس وقت تک جماعت کے ان کارکنوں سے جو اچھی علمی صلاحیتیں رکھتے ہوں، مختلف شعبوں میں کام لینے کی کوشش کی جائے اور ایسے کارکنوں پر جماعت کی دوسری سرگرمیوں کا بار نہ ڈالا جائے۔

۳۔ ایک ایسے ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو اسلام سے متعلق ضروری کتابیں اردو میں منتقل کرے۔

۴۔ خواتین کے لیے ایک ایسے ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو تعلیم و تربیت کا کام بھی کرے اور اسی کا ایک شعبہ خواتین کے لیے لٹریچر بھی تیار کرے۔

۵۔ مسئلہ قومیت، پردہ، تنقیحات، دعوتِ دین اور اس کا طریق کار، سود حصہ اول و دوم، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی اور تفہیم القرآن جلد اول و دوم کو ۱۹۵۸ء کے آخر تک لازماً بنگلہ میں منتقل کرکے شائع کر دیا جائے (ان میں سے بعض کتابیں زیر تکمیل ہیں اور تفہیم القرآن کا ترجمہ بالاقساط ہفتہ وار توحید کھلنا میں شائع ہو رہا ہے)۔

۶۔ ترجمان القرآن کا بنگلہ ایڈیشن ڈھاکہ سے شائع کیا جائے۔ (سردست "جہانِ نو" کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار ڈھاکہ سے جاری کر دیا گیا ہے)۔

۷۔ ایک ایسا دارالعلوم قائم کیا جائے جس میں ضروری ترمیم اور علوم جدیدہ کے ضروری اضافے

کے ساتھ درسِ نظامی کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا انتظام ہو۔ (اس دار العلوم کا افتتاح ۱۶ شوال ۱۳۷۵ مطابق ۲۷ مئی ۱۹۵۶ء کوڈیپر ضلع حیدر آباد میں کر دیا گیا ہے)۔

۸۔ جہاں جہاں حالات سازگار ہوں ایسے پرائمری اسکول قائم کیے جائیں جن میں محکمۂ تعلیم کے مقرر کردہ نصاب کے ساتھ دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا عمدہ انتظام ہو۔

(اس طرح کے مدارس لاہور، لائل پور اور کوئٹہ میں اس وقت چل رہے ہیں)

۹۔ تعلیم بالغان کے لیے جگہ جگہ مراکز قائم کیے جائیں۔ تعلیم یافتہ ارکان اور متفقین سے اس کام کے لیے وقت لیا جائے اور ۱۹۵۸ء کے اختتام تک کم از کم ۲۵ ہزار ناخواندہ آدمیوں کو خواندہ بنا یا جائے۔ خواندگی کا کم سے کم معیار یہ ہونا چاہیے کہ آدمی اردو لکھ پڑھ سکے، قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کے قابل ہو جائے اور قرآن مجید کی کم از کم ان سورتوں کا ترجمہ سیکھ لے جو بالعموم نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ کوشش بھی کی جائے کہ ان بالغ طالب علموں کی دینی و اخلاقی حالت عملاً درست ہو اور ان میں اپنے گرد و پیش کے معاشرے کی اصلاح کے لیے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

(تعلیم بالغان کے سلسلے میں رہ نمائی اور مفصل طریق کار تجویز کرنے کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس کی رپورٹ تمام جماعتوں کو آغاز کار کے لیے بھیجی جا چکی ہے۔ کئی مقامات پر تعلیم بالغان کے مراکز قائم بھی ہو چکے ہیں)۔

۱۰۔ ۱۹۵۸ء کے آخر تک مغربی پاکستان میں دار المطالعوں کی تعداد پانچ سو تک بڑھا دی جائے۔

۳۔ توسیع جماعت کا پروگرام

۱۹۵۸ء کے آخر تک مغربی پاکستان میں جماعت اسلامی کے متفقین کی تعداد چالیس ہزار تک اور مشرقی پاکستان میں دس ہزار تک پہونچا دی جائے۔

۴۔ عوامی اصلاح و تربیت کا پروگرام

تمام جماعتوں، حلقہ ہائے متفقین اور دوسرے کارکنانِ جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنے حالات اور

وسائل کے مطابق حسب ذیل قسم کے کاموں کو اپنے ہاں زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کریں۔

۱۔ جماعت کی نبیادی دعوت کو وسیع پیمانے پر پھیلانا۔

(اس سلسلے میں تمام کارکنوں کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ جماعت اسلامی کا اصل کام جس پر تمام دوسری سرگرمیوں کی بنا قائم ہوتی ہے، عوام الناس کو اطاعتِ خدا و رسول کی طرف بلانا، آخرت کی باز پرس کا احساس دلانا، خیر و صلاح اور تقویٰ کی تلقین کرنا، اور اسلام کی حقیقت سمجھانا ہے۔ یہ کام لٹریچر، تقریر، تعلیم، زبانی گفتگو اور تمام دوسرے ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر ہونا چاہیے۔)

۲۔ مساجد کی اصلاح حال۔

(اس میں مسجدوں کی تعمیر، ان کی مرمت، ان کے لیے فرش، پانی اور دوسری ضروریات اور آسائشوں کی فراہمی نیز اذان، نماز باجماعت، امام، درس و تدریس اور خطباتِ جمعہ وغیرہ جملہ امور کا اطمینان بخش انتظام شامل ہے۔ اگر لوگ مسجد کی اہمیت اور اس کے مقام کو سمجھنے لگیں تو بستی اور محلہ میں مسجد سے زیادہ دل کش جگہ اور کوئی نہ ہو)۔

۳۔ عوام میں علم دین پھیلانا۔

(ظاہر ہے کہ دین کے علم کے بغیر آدمی دین کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ اگر اتفاق سے چل رہا ہے تو اس کے ہر آن بھٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر لوگ نہ دین کو جانیں اور نہ اس پر چلیں تو اسلامی نظام کا خواب کبھی حقیقت کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے دین خود بھی سیکھیے اور دوسروں کو بھی سکھانے کا انتظام کیجیے۔ دوسروں تک اسے پہونچانے کے لیے گفتگوں، مذاکرات، تقاریر، خطبات، درس، اجتماعی مطالعہ، تعلیم بالغان، دارالمطالعوں اور اسلامی لٹریچر کی عام اشاعت اور تقسیم کو ذریعہ بنائیے۔ یاد رکھیے کہ دین کا علم پھیلانا ان کاموں میں سے ہے جو صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں)

۴۔ غنڈہ گردی کے مقابلے میں لوگوں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا، عام طور پر لوگوں کو ظلم و ستم سے بچانا، شہریوں کے اندر اخلاقی فرائض اور ذمہ داریوں کے احساس کو بیدار کر کے ان کی ادائگی پر ان کو آمادہ کرنا اور شہروں اور دیہات کی اخلاقی حالت کو درست کرنا۔

(صدیوں کے انحطاط کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں اب بدی اور برائی منظم، بے باک، جری اور ایک دوسرے کی پشت پناہ بن چکی ہے۔ اور نیکی اور شرافت اب انتشار، پست ہمتی، بزدلی اور کمزوری کے ہم معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس صورت حال کو پھر سے بدلنا ہے اور نیکی اور شرافت کو منظم، بے باک اور نڈر بنا کر اسے معاشرے کے ہر گوشے میں حکمراں طاقت کی حیثیت دینا ہے)

۵۔ سرکاری محکموں اور اداروں سے عام لوگوں کی شکایات رفع کرانے میں ان کی امداد کرنا اور داد رسی حاصل کرنے میں ان کی رہنمائی کرنا۔

۶۔ بستی کے یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور غریب طالب علموں کی فہرستیں تیار کرنا، اور جن جن طریقوں سے ممکن ہو ان کی مدد کرنا۔ اس غرض کے لیے زکوٰۃ، عُشر اور صدقات کی رقوم کی تنظیم اور بیت المال کے ذریعے ان کی تحصیل اور تقسیم کا انتظام کرنا چاہیے۔

۷۔ دیہات اور محلوں میں تعلیم بالغان کے مراکز اور دارالمطالعوں کا قیام اور عام لوگوں میں ان سے استفادہ کا شوق پیدا کرنا۔

۸۔ فواحش کی روک تھام اور ان کے خلاف عوامی ضمیر اور احساس شرافت کو بیدار کرنا۔

(فواحش کے سلسلے میں کسی ایک ہی گوشے پر نظر محدود نہیں کر دینی چاہیے بلکہ اس کے تمام سرچشموں پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ مثلاً ۱۔ قحبہ خانے، ۲۔ شراب خانے، ۳۔ سینما کی پبلسٹی، ۴۔ دکانوں پر عریاں تصاویر وسائن بورڈ، ۵۔ ٹورنگ سینما اور تھیٹریکل کمپنیاں، ۶۔ مخلوط تعلیم، ۷۔ اخبارات میں فحش اشتہارات اور فلمی مضامین، ۸۔ ریڈیو پر فحش گانوں کے پروگرام، ۹۔ دکانوں اور مکانوں پر فحش گانوں کا ریکارڈنگ، ۱۰۔ قمار بازی کے اڈے، ۱۱۔ رقص کی مجالس، ۱۲۔ فحش لٹریچر اور عریاں تصاویر اور جنسی رسائل، ۱۳۔ آرٹ اور کلچر کے نام سے بے حیائی پھیلانے والی سرگرمیاں، ۱۴۔ مینا بازار، ۱۵۔ عورتوں میں روز افزوں بے پردگی کی وبا)۔

۹۔ رشوت و خیانت اور سفارش کی لعنت کے خلاف رائے عام کو منظم کرنا اور سرکاری حکام اور ماتحت کارکنوں میں خدا ترسی، فرض شناسی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس بیدار کرنے کی کوشش کرنا۔

(اس غرض کے لیے ان حلقوں میں "اسلامی ریاست میں کارکنوں کی ذمہ داریاں اور اوصاف" کی عام اشاعت کی جائے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ عدالتوں، تھانوں اور دوسرے سرکاری دفاتر میں قرآن مجید اور حدیث شریف اور اسلامی لٹریچر میں سے مناسب حال آیات، احادیث اور عبارتیں کتبوں کی شکل میں آویزاں کی جائیں)۔

۱۰۔ مذہبی جھگڑوں اور تفرقہ انگیزی کا انسداد۔

(اس کے لیے مختلف جماعتوں کے مذہبی پیشواؤں سے ملاقاتیں کر کے ان کو اس کے برے نتائج سے باخبر کیا جائے کہ یہ چیز کس طرح اس ملک سے اسلام کی جڑیں اکھاڑ دینے والی ہے اور اسے کس طرح ملک کے ذہین طبقہ کے اندر علما اور مذہب کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے مخالفِ اسلام عناصر کی طرف سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ نیز عام پبلک کو بھی مناسب مواقع پر اس کے نتائج سے باخبر کیا جائے اور ان سے اپیل کی جائے کہ وہ اس قسم کے فتنوں کی سرپرستی سے بالکل کنارہ کش رہیں)۔

۱۱۔ بستی کے عام لوگوں کے تعاون سے صفائی اور حفظانِ صحت کی کوشش کرنا۔

(اگر لوگ صحت و صفائی کے سلسلے میں معمولی احتیاط بھی برتنا شروع کر دیں تو وہ بہت سی وباؤں اور بیماریوں سے اپنے آپ کو اور دوسرے شہریوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ بہت سی احتیاطیں اور تدابیر ایسی ہیں جن پر یا تو کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا یا بہت معمولی خرچ ہوتا ہے۔ جماعت کے کارکنوں کو چاہیے کہ اس سلسلے میں بھی عوام کی اصلاح و تربیت کریں۔ اس بارے میں ضروری رہنمائی کے لیے وہ ناظم شعبۂ خدمت خلق جماعت اسلامی پاکستان معرفت جماعت اسلامی کراچی اور اپنے ضلع کے ہیلتھ افسر کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔)

اس پروگرام کے مطابق کام کرتے ہوئے جماعت کے کارکنوں کو یہ بات نگاہ میں رکھنی چاہیے کہ

ہمیں ہر گوشۂ زندگی میں اسلام کے مطابق پورے معاشرے کی اصلاح کرنی ہے اور اسی پروگرام کو بتدریج ہمہ گیر اصلاح کا پروگرام بنا دینا ہے۔ کارکنوں کو اس امر کی کوشش بھی کرنی چاہیے کہ وہ اصلاح معاشرہ کے اس کام میں اپنے اپنے علاقوں کے تمام اسلام پسند اور اصلاح پسند عناصر کا تعاون حاصل کریں اور جو کوئی جس حد تک بھی ساتھ دے سکتا ہو اسے اس عام بھلائی کی خدمت میں شریک کریں۔

لائحہ عمل کی توضیح و تشریح

ابو الاعلیٰ مودودی

مندرجہ بالا قرارداد کو پیش کرتے ہوئے سید ابو الاعلیٰ مودودی نے حسب ذیل تقریر کی:

محترم رفقاء!

جماعتِ اسلامی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ہم ایک قرارداد کی صورت میں اُن خطوط کی وضاحت کر رہے ہیں جن پر ہمیں اپنی تحریک کو آگے چلانا ہے۔ اس سے پہلے پندرہ سال تک معمول یہ رہا ہو کہ اجتماعات کے موقع پر اس تحریک کے مقصد لائحہ عمل اور طریقِ کار کی وضاحت امیر جماعت اپنی تقریروں میں کرتا تھا اور وہی تقریریں جماعت کے لٹریچر میں شامل ہو کر تحریک کے لیے رہ نمائی کا کام کرتی تھیں۔ اب اس پرانے معمول سے ہٹ کر ایک قرارداد کی صورت میں یہ چیز پیش کرنے اور متبادل تجویزوں اور ترمیموں کا موقع دینے کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی ہے کہ جماعت پوری بصیرت کے ساتھ اپنی پالیسی اور آئندہ طریق کار کا فیصلہ کرے۔ اور جتنے ممکن راستے اُس کے سامنے رکھے جائیں، ان کو اچھی طرح جانچنے اور پرکھنے کے بعد پورے اطمینان کے ساتھ ایک راستہ اختیار کرے۔

اسی ضرورت کی بنا پر میں اس قرارداد کی توضیح و تشریح میں غیر معمولی طور پر ایک مفصل تقریر کر رہا ہوں۔ یہ تفصیل نہ صرف اس لیے ضروری ہے کہ ارکانِ جماعت قرارداد کے ہر پہلو کو خوب سمجھ کر علیٰ وجہ البصیرت اس کے بارے میں فیصلہ کر سکیں، بلکہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس وقت ارکان میں تین چوتھائی سے زیادہ

تعداد ایسے رفقاء کی ہے جو بیچ کے مراحل میں ہمارے ہم سفر ہوئے ہیں اور اس تحریک کا تدریجی ارتقاء پوری طرح ان کے سامنے نہیں ہے۔ انہیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ اب تک ہم کن مراحل سے گزرتے ہوئے آرہے ہیں، ہر مرحلے میں کن حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں، ان حالات میں ہم نے کیا قدم اٹھائے ہیں اور کیوں اٹھائے ہیں، اور اب ہم جس مقام پر کھڑے ہیں یہاں سے آگے بڑھنے کے لیے ہم کو کس طرح اپنا راستہ نکالنا ہے اور کن امور کو ملحوظ رکھ کر کام کرنا ہے۔

قرارداد کا تجزیہ اس غرض کے لیے زیر بحث قرارداد کا مدعا واضح کرنے کی خاطر یہ مناسب ہوگا کہ پہلے میں اس کا تجزیہ کرکے بتادوں کہ یہ کن نکات پر مشتمل ہے، پھر ہر نکتے کی تشریح کرتے ہوئے اس کی صحت بھی ثابت کروں اور یہ بھی دکھاؤں کہ دوسرے نکات کے ساتھ اس کا ربط کیا ہے۔

یہ قرارداد دراصل دس نکات پر مشتمل ہے:

اول یہ کہ جس نصب العین کے لیے یہ جماعت قائم ہوئی تھی، اور جن اصولوں کی پابندی کا اس نے عہد کیا تھا، آج تک وہ اسی نصب العین کی طرف، انہی اصولوں کی پابندی میں بڑھتی چلی آرہی ہے۔

دوم یہ کہ نومبر ۱۹۵۱ء میں اجتماع کراچی کے موقع پر اس تحریک کا جو لائحہ عمل پیش کیا گیا تھا وہ بالکل صحیح توازن کے ساتھ مقصد تحریک کے تمام نظری اور عملی تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اور وہی آئندہ بھی اس کا لائحہ عمل رہنا چاہیے۔

سوم یہ کہ اس لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء کوئی نئی چیز نہیں ہیں بلکہ اس تحریک کے یوم آغاز ہی سے وہ اس کے لائحہ عمل کے اجزاء لازم رہے ہیں۔

چہارم یہ کہ ان تینوں اجزاء کے لیے اس وقت وہ پروگرام موزوں اور کافی ہے جو اس قرارداد کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

پنجم یہ کہ اس لائحہ عمل کا چوتھا جز بھی ابتداء ہی سے جماعت اسلامی کے بنیادی مقاصد میں شامل تھا اس کے نصب العین کا لازمی تقاضا تھا، اور اس کے لیے تقسیم ہند سے پہلے کوئی عملی اقدام نہ کرنا محض مواقع اور ذرائع کے فقدان اور شرعی موانع کے سبب سے تھا۔

ششم یہ کہ قیام پاکستان کے بعد مواقع اور ذرائع بھی ہم پہونچ گئے، اور شرعی موانع کو دور کرنے کے امکانات بھی پیدا ہوگئے، اس لیے جماعت نے بالکل صحیح وقت پر اپنے عملی پروگرام میں اس جُزء کو شامل کرلیا۔

ہفتم یہ کہ دس سال کی جدوجہد سے جو نتائج حاصل ہوئے ہیں وہ اس لائحہ عمل میں کسی ردوبدل کے متقاضی نہیں ہیں بلکہ صرف یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اس کے چاروں اجزاء پر صحیح توازن کے ساتھ یکساں کام کیا جائے۔

ہشتم یہ کہ اس لائحہ عمل پر کام کرنے میں توازن تو یقیناً مطلوب ہے مگر عدم توازن کو کسی وقت بھی اس کے کسی جزء کے ساقط یا معطل یا مؤخر کرنے کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

نہم یہ کہ ہم انتخابات سے بے تعلق بہرحال نہیں رہ سکتے، خواہ ان میں بالواسطہ حصہ لیں یا بلاواسطہ یا دونوں طرح۔

دہم یہ کہ اس معاملے کو مجلس شوریٰ پر چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ ہر انتخاب کے موقع پر یہ فیصلہ کرے کہ ہم ان تینوں طریقوں میں سے کس طریقے پر انتخابات میں حصہ لیں۔

اب میں سلسلہ وار اِن نکات میں سے ایک ایک پر کلام کروں گا۔

نکتۂ اول یہ قرارداد سب سے پہلے جماعت کے گزشتہ پندرہ سال کے کام کے متعلق اس اطمینان کا اظہار کرتی ہے کہ وہ اُن تمام امکانی لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود، جو بہرحال انسانی کام میں رہ ہی جاتی ہیں، ٹھیک اُسی نصب العین کی راہ پر تھا جو اول روز سے جماعت کے پیشِ نظر رہا ہے اور انہی اصولوں کے مطابق تھا جن کی پابندی کا یہ جماعت ہمیشہ اقرار و اعلان کرتی رہی ہے۔

قرارداد کا آغاز اس مضمون سے کیوں کیا گیا ہے؟ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ اس کی پہلی وجہ تو وہی ہے جس کا قرارداد کے الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ ہم آگے چلنے سے پہلے اِس فضلِ خاص پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں کہ اُس عام اور ہمہ گیر اخلاقی انحطاط اور ذہنی انتشار کے ماحول میں، جس کے اندر ہمیں کام کرنا پڑا ہے، اور اُن پے در پے آزمائشوں کے باوجود جن سے ہم کو اِس پندرہ سال کی مدت میں گزرنا پڑا ہے، ہم اپنے

نصب العین کی راہ پر ثابت قدم رہے ہیں اور ہم نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایک با اصول جماعت ثابت کیا ہے۔ یہ بات ہم فخر کے طور پر نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہے ہیں، اس بنا پر کہہ رہے ہیں کہ شکرِ نعمت ہم پر واجب ہے، اور اس غرض کے لیے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو مزید ہدایت اور توفیق سے نوازے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک محرک و متحرک جماعت کو جس طرح ہمیشہ یہ دیکھتے رہنے کی ضرورت ہے کہ اس کے کام اور نظام میں خامیاں کیا ہیں جن کی اسے اصلاح کرنی ہے، اسی طرح اُسے اِس اطمینان کی ضرورت بھی ہے کہ وہ واقعی اپنے مقصد ہی کی طرف بڑھ رہی ہے اور اپنے اصولوں پر قائم ہے۔ اس معاملے میں اگر کوئی شک اس کے دل میں پڑ جائے اور دس پندرہ برس ایک راہ پر چلنے کے بعد وہ ٹھیر کر یہ سوچنے لگے کہ کہیں ہم غلط راہ پر تو نہیں پڑ گئے ہیں، تو یہ ایک سخت حوصلہ شکن اور پریشان کن صورت حال ہوگی جو اس کی قوتِ عمل کو سرد، اور اپنے اجتماعی فہم اور کردار پر سے اس کے اعتماد کو متزلزل کر دے گی۔ اس کے بعد وہ آگے بھی اطمینان کے ساتھ کوئی قدم نہ اٹھا سکے گی، کیونکہ پھر تو اسے اپنے اوپر یہ بھروسہ رہے گا ہی نہیں کہ وہ اپنے نصب العین کا اور اس کی طرف بڑھنے کی صحیح سمت کا کوئی شعور رکھتی بھی ہے یا نہیں، اور اس میں اپنے اصولوں پر جمنے کی طاقت بھی ہے یا نہیں۔

آپ میرا مدعا سمجھنے میں غلطی نہ کریں۔ میرا مدعا یہ نہیں ہے کہ ہم غلط بھی جا رہے ہوں تو ضرور اپنے آپ کو صحیح سمجھتے رہیں تاکہ ہمارا حوصلہ برقرار رہے۔ اس کے برعکس میرا مدعا یہ ہے کہ ہمیں پوری بصیرت کے ساتھ اپنے نصب العین اور اس کی طرف پیش قدمی کی راہ کو سمجھ کر دیکھنا چاہیے کہ ہم ٹھیک اسی کی طرف جا رہے ہیں یا نہیں، اور ان تمام اصولوں کو، جن کا آج تک ہم اقرار و اعلان کرتے رہے ہیں، سامنے رکھ کر دیکھنا چاہیے کہ ہم نے من حیث الجماعت ان کی ٹھیک ٹھیک پابندی کی ہے یا نہیں۔ اور اگر بے لاگ احتساب سے ہم کو یقین ہو جائے کہ ان اعتبارات سے ہم غلط رَو اور غلط کار نہیں ہیں تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس پر مطمئن ہو کر آگے بڑھنا چاہیے اور کسی شک کو اپنے دل میں راہ نہ دینی چاہیے۔ غلطی کو غلطی مان لینا تو ضرور ایک خوبی ہے، مگر صحیح کو خواہ مخواہ غلط مان لینا، یا ہر ٹوکنے والے کی ٹوک پر شک میں پڑ جانا کوئی خوبی نہیں ہے۔

اِس حماقت میں ہم اسی وقت مبتلا ہو سکتے ہیں جب کہ یا تو ہم اتنے بلید الذہن ہوں کہ اپنے مقصد اور اپنے کام کو سمجھنا اور جانچنا ہمارے لیے مشکل ہو جائے، یا پھر ہم اس اخلاقی کمزوری کے شکار ہو چکے ہوں کہ جب بھی کوئی ہمیں ٹوکے ہم ضرور انکسار کی نمائش کرتے ہوئے اعترافِ قصور کرنا شروع کر دیں، خواہ ٹوکنے والا اپنے ہی قصورِ فہم کی وجہ سے صحیح کو غلط کہہ رہا ہو۔

جماعتِ اسلامی کا نصب العین کیا تھا؟ آئیے اب ہم دیکھیں کہ ہمارا وہ نصب العین تھا کیا جس کے لیے ہم کام کرنے اٹھے تھے۔ اب سے پندرہ برس پہلے جماعت اسلامی کی تشکیل کا تخیل جس بنیاد پر پیدا ہوا تھا وہ یہ تھی کہ اُس وقت مسلمانوں میں جو تحریکیں اور جماعتیں کام کر رہی تھیں وہ اسلام کے نصب العین کو یا تو سمجھتی ہی نہ تھیں، یا اس کو سمجھنے اور اپنا حقیقی مقصود کہنے کے باوجود اُن راستوں پر چل رہی تھیں جو کسی طرح بھی اُس تک پہونچانے والے نہ ہو سکتے تھے۔ اس غلطی کو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۱ء تک مسلسل اور پے در پے اُن مضامین میں واضح کیا گیا جو بعد میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم کے نام سے شائع ہوئے، اور انہی مضامین میں یہ بھی پوری وضاحت کے ساتھ بتایا گیا کہ اسلام کا اصلی نصب العین کیا ہے، اور اس کی طرف بڑھنے کا صحیح راستہ کون سا ہے۔ یہی مضامین تھے جنہوں نے بالآخر ۱۹۴۱ء میں چند انسانوں کو جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک جماعت بنانے کے لیے اکٹھا کر دیا تاکہ وہ اُس نصب العین کے لیے اس خاص طریقے پر کام کریں۔ لہٰذا اِس جماعت کے مبدأ تخلیق کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں ان مضامین کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ وہ اس کی پیدائش کے اصل محرک ہیں۔ ان میں اسلام کا نصب العین قرآن مجید کی اس آیت سے اخذ کیا گیا تھا:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ یہ کام مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

پھر اس کی تشریح یوں کی گئی تھی:

"اَلْهُدٰی سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔ (یعنی یہ کہ) انفرادی برتاؤ، خاندانی نظام،

سوسائٹی کی ترکیب، معاشی معاملات، ملکی انتظام، سیاسی حکمت عملی، بین الاقوامی تعلقات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کے لیے صحیح رویہ کیا ہونا چاہیے۔"

" دینِ حق یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی، خود اپنے نفس کی، اور تمام مخلوقات کی بندگی واطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اسی کی بندگی واطاعت کرے۔"

" پوری جنسِ دین سے مراد یہ ہے کہ انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جن جن صورتوں سے کسی کی اطاعت کر رہا ہے وہ سب جنسِ دین کی مختلف انواع ہیں۔ بیٹے کا والدین کی اطاعت کرنا۔ بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا۔ نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا۔ ماتحت کا افسر کی اطاعت کرنا۔ رعیت کا حکومت کی اطاعت کرنا۔ پیروں کا پیشواؤں اور لیڈروں کی اطاعت کرنا۔ یہ اور ایسی دوسری بے شمار اطاعتیں بحیثیتِ مجموعی ایک نظامِ اطاعت بناتی ہیں (جسے اس آیت میں الدین یا جنسِ دین کہا گیا ہے)"

" اللہ کی طرف سے رسول کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پورا نظامِ اطاعت اپنے تمام اجزاء سمیت ایک بڑی اطاعت اور ایک بڑے قانون کے تحت ہو جائے۔ تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں۔ ان سب کو منضبط کرنے والا ایک اللہ ہی کا قانون ہو۔ اور اس بڑی اطاعت اور اس ضابطۂ قانون کی حدود سے باہر کوئی اطاعت باقی نہ رہ جائے۔"

" شرک کرنے والے وہ سب لوگ ہیں جو اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری مستقل بالذات (یعنی خدا کی اطاعت سے آزاد) اطاعتیں شریک کرتے ہیں .... اللہ کے رسول پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کی مزاحمت کے باوجود اپنے مشن کو پورا کرے۔"

حصولِ نصب العین کا راستہ یہ تھا وہ نصب العین جسے پیش کر کے جماعت اسلامی کے قیام کی دعوت دی گئی تھی۔ اور اس تک پہونچنے کا راستہ جو پیش کیا گیا تھا وہ یہ تھا:

" اس نصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے راہ راست وہی ہے جو اللہ کے رسول نے اختیار کی، یعنی یہ کہ لوگوں کو الہدیٰ اور دینِ حق کی طرف دعوت دی جائے۔ پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کر کے اپنی بندگی واطاعت اللہ کے لیے خالص کر دیں، دوسری اطاعتوں کو اللہ کی اطاعت

کے ساتھ شریک کرنا چھوڑ دیں اور خدا کے قانون کو اپنی زندگی کا قانون بنا لیں، ان کا ایک مضبوط جتھا بنایا جائے۔ پھر یہ جتھا تمام اُن اخلاقی، علمی اور مادی ذرائع سے جو اس کے امکان میں ہوں، دینِ حق کو قائم کرنے کے لیے جہادِ کبیر کرے یہاں تک کہ اللہ کے سوا دوسری اطاعتیں جن جن طاقتوں کے بل پر قائم ہیں اُن سب کا زور ٹوٹ جائے اور پورے نظامِ اطاعت پر وہی الہدیٰ اور دینِ حق غالب آجائے۔"

" اس راہِ راست کا ہر جزو قابلِ غور ہے۔ پہلا جزو یہ ہے کہ انسان کو بالعموم اللہ کی حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ تسلیم کرنے اور اس کے بھیجے ہوئے قانون کو اپنی زندگی کا قانون بنانے کی دعوت دی جائے۔ یہ دعوت عام ہونی چاہیے۔ ہر وقت جاری رہنی چاہیے اور اس کے ساتھ دوسری غیر متعلق باتوں کی آمیزش نہ ہونی چاہیے۔ قوموں اور نسلوں اور ملکوں کے باہمی جھگڑے، خواہ وہ سیاسی اور معاشی مفادات کی بحثیں، غیر الٰہی نظامات میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا، یا کسی ایسے نظامِ فاسد کی خود غرضانہ حمایت کرنا، یا کسی نظامِ فاسد میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرنا، یہ سب چیزیں نہ صرف یہ کہ الہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ میل نہیں کھاتیں بلکہ صریح طور پر اس کے منافی اور اس کے لیے مضرت رساں ہیں۔ پس جب کسی شخص یا گروہ کو دعوتِ حق کی خدمت انجام دینی ہو تو اسے ان تمام جھگڑوں اور بحثوں سے الگ ہو جانا چاہیے اور اپنی دعوت کے ساتھ کسی دوسرے غیر متعلق اور بے جوڑ قضیے کو شامل نہ کرنا چاہیے۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ جتھا صرف ان لوگوں کا بنایا جائے جو اس دعوت کو جان کر اور سمجھ کر قبول کریں، جو بندگی و اطاعت کو فی الواقع اللہ کے لیے خالص کر دیں، جو دوسری اطاعتوں کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ شریک کرنا چھوڑ دیں، اور حقیقت میں اللہ کے قانون کو اپنا قانونِ زندگی بنا لیں۔ رہے دوسرے لوگ جو اس طرزِ خیال یا طرزِ زندگی کے محض معترف ہوں، یا اس سے ہمدردی رکھتے ہوں، تو وہ مجاہدہ کرنے والے جتھے کے لیے رکنیت کیا معنی، رکن نہیں بن سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ جو جس درجے میں بھی اس کا ہمدرد یا بیرونی معاون بن جائے، بسا غنیمت ہے، مگر ارکان اور

ہمدردوں کے درمیان جو حقیقی فرق و امتیاز ہے اسے کسی حال میں بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

تیسرا جز یہ ہے کہ براہ راست غیر الٰہی نظامِ اطاعت پر حملہ کیا جائے۔ تمام کوششوں کا مقصود صرف اس ایک بات کو بنایا جائے کہ اللہ کی حاکمیت قائم ہو، اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کو مقصود بنا کر اس کے پیچھے قوتیں ضائع نہ کی جائیں۔" [1]

یہ طریق کار تھا جس پر اسلامی نصب العین کے لیے کام کرنے کی دعوت دی گئی تھی، اور اسی دعوت پر آخر کار یہ جماعت وجود میں آئی۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم کے آخر میں جو دستورِ جماعت درج ہے اس کا دیباچہ ملاحظہ فرمائیے۔ اُس میں کہا گیا ہے کہ "اسلام کا مقصد زندگی کے فاسد نظام کو بالکل بدل دینا ہے، یہ کلی و اساسی تغیر صرف اُسی طریقے پر ممکن ہے جو انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا تھا۔ مسلمانوں میں اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے اور جو کچھ اب ہو رہا ہے وہ نہ اس مقصد کے لیے ہے اور نہ اس طریقے پر ہے، لہٰذا اب ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو صحیح معنوں میں اسلامی جماعت ہو اور اسلامی نصب العین کے لیے اسلامی طریقے پر کام کرے۔ اسی بنا پر شعبان ۱۳۶۰ھ (اگست ۴۱ء) میں ان لوگوں کا اجتماع منعقد کیا گیا جو صحیح اسلامی اصول پر کام کرنے کے خواہشمند ہیں اور باہمی مشورے سے "جماعتِ اسلامی" کی بنا ڈالی گئی۔"

دستورِ جماعت میں نصب العین کی تشریح

تشکیل جماعت کے ساتھ پہلے ہی اجتماع میں جو دستور وضع کیا گیا اس میں جماعت کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصود یہ قرار دیا گیا کہ "دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام، اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول"۔ پھر حکومتِ الٰہیہ کی تشریح اِن الفاظ میں کی گئی کہ اس سے مراد اللہ کی تکوینی حکومت نہیں بلکہ اس کی شرعی حکومت ہے، یعنی اُس قانون کی حکومت جو رسولوں کے واسطے سے آتا ہے، جس کا تعلق عقائد، اخلاق، معاشرت، تمدن اور سیاست وغیرہ سے ہے۔ اور مومن کی زندگی کا مشن یہ بیان کیا گیا کہ "جس طرح خدا کا قانونِ تکوینی تمام کائنات میں نافذ ہے اسی طرح خدا کا قانونِ شرعی بھی عالمِ انسانی میں نافذ ہو۔" نیز یہ بھی صراحت

[1] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم۔ مضمون "اسلام کی راہ راست اور اس سے انحراف کی راہیں"۔

کر دی گئی کہ یہ کام فی الاصل تو نصیحت، فہمائش، ترغیب اور تبلیغ ہی سے کرنے کا ہے، لیکن جو لوگ ملک [illegible] کے ناجائز مالک بن بیٹھتے ہیں وہ عموماً اپنی خداوندی سے محض نصیحتوں کی بنا پر دست بردار نہیں ہو جایا کرتے، اس لیے مجبوراً مومن کو جنگ کرنی پڑتی ہے تاکہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام میں جو چیز سدِّ راہ ہو اسے راستے سے ہٹا دے۔ [1]

یہ دستور ۱۱ سال تک جماعتِ اسلامی کا دستور رہا۔ پھر اگست ۱۹۵۲ء میں جماعتِ اسلامی پاکستان نے اپنے لیے جو نیا دستور بنایا اس کی دفعہ ۴ میں وہی نصب العین ان الفاظ میں درج کیا گیا:

"عملاً اقامتِ دین (یعنی حکومتِ الٰہیہ، یا اسلامی نظامِ زندگی کا قیام) اور حقیقۃً رضائے الٰہی اور فلاحِ اُخروی کا حصول۔" اور اس کی تشریح میں وہی مضمون جو سابق دستور میں تھا، یوں ادا کیا گیا:

"اقامتِ دین سے مقصود دین کے کسی خاص حصے کی اقامت نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے، خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے، نماز روزے اور حج و زکوٰۃ سے ہو یا معیشت و معاشرت اور تمدن و سیاست سے۔ اسلام کا کوئی حصہ بھی غیر ضروری نہیں ہے۔ پورے کا پورا اسلام ضروری ہے۔ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اس پورے اسلام کو کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کے جس حصے کا تعلق افراد کی اپنی ذات سے ہے، ہر مومن کو اسے بطورِ خود اپنی زندگی میں قائم کرنا چاہیے۔ اور جس حصے کا قیام اجتماعی جدوجہد کے بغیر نہیں ہو سکتا، اہلِ ایمان کو مل کر اس کے لیے جماعتی نظم اور سعی کا اہتمام کرنا چاہیے۔"

"اگرچہ مومن کا اصل مقصدِ زندگی رضائے الٰہی کا حصول اور آخرت کی فلاح ہے، مگر اس مقصد کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے مومن کا عملی نصب العین اقامتِ دین، اور حقیقی نصب العین رضائے الٰہی ہے جو اقامتِ دین کی سعی کے نتیجے میں حاصل ہوگی۔"

منشورِ جماعت میں نصب العین کی تشریح

دستور کے بعد ایک جماعت کی اہم ترین دستاویز اس کا

[1] پہلا دستورِ جماعت دفعہ ۲ کی تشریح۔

منشور ہوتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں صوبائی انتخابات کے موقع پر جماعتِ اسلامی نے اپنا جو منشور شائع کیا تھا اس کے پہلے ہی صفحہ پر وہ اپنے مقصدِ وجود کو اس طرح پیش کرتی ہے:

"یہ جماعت اُن محدود معنوں میں کوئی سیاسی یا مذہبی یا اصلاحی جماعت نہیں ہے جن میں عام طور پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں، بلکہ وسیع معنوں میں ایک اصولی جماعت ہے جو پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع اور عالم گیر نظریۂ حیات پر یقین رکھتی ہے اور اپنے اُس نظریہ کو انسانی عقائد و افکار میں، اخلاق اور عادات میں، علوم و فنون میں، ادب اور آرٹ میں، تمدن و تہذیب میں، مذہب اور معاشرت میں، معاشی معاملات میں، سیاست اور نظمِ مملکت میں، اور بین الاقوامی تعلقات و روابط میں عملاً نافذ کرنا چاہتی ہے۔ اس جماعت کے نزدیک دنیا کے بگاڑ کا حقیقی سبب خدا کی اطاعت سے انحراف، آخرت کی جواب دہی سے بے نیازی، اور انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی سے روگردانی ہے ......

یہ جماعت نوعِ انسانی کے لیے فلاح کی صرف ایک ہی صورت دیکھتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا پورا نظام اپنے تمام شعبوں اور گوشوں سمیت خدائے واحد کی بندگی و اطاعت کے اصول پر قائم ہو، اس بندگی و اطاعت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی اُس رہنمائی کو سند مانا جائے جو آج اپنی صحیح و کامل صورت میں صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی میں موجود ہے، اور افراد کی سیرتوں سے لے کر قوموں کے اجتماعی طرزِ عمل تک ہر چیز کو اُس اخلاقی رویے پر قائم کیا جائے جس کی بنیاد آخرت کی جواب دہی کے احساس پر رکھی گئی ہو۔"

اجتماعاتِ عام میں نصب العین کی توضیحات

دستور اور منشور کے بعد تیسری اہم ترین مستند وہ تصریحات ہیں جو ارکانِ جماعت کے عام اجتماعات میں کی جاتی ہیں، خواہ وہ کسی جماعتی قرارداد کی صورت میں ہوں یا خطبۂ امارت کی شکل میں۔ کیونکہ ایسے مواقع پر امیرِ جماعت جو کچھ کہتا ہے وہ کسی شخص کی ذاتی رائے نہیں ہوتی بلکہ پوری جماعت اسے سندِ قبول عطا کرتی ہے۔ میں آپ کے سامنے جماعت کی روداد میں سے نصب العین کی وہ توضیحات پیش کروں گا جو پچھلے اجتماعاتِ عام میں کی گئی ہیں۔

اولین اجتماع جس سے اس جماعت کے وجود کا آغاز ہوا، اُس میں مقصدِ سعی یہ بیان کیا گیا تھا کہ دین کو

ایک تحریک کی صورت میں جاری کیا جائے۔" اور اس کی تشریح یہ کی گئی تھی کہ" ہماری زندگی میں دین داری محض ایک انفرادی رویے کی صورت میں جامد و ساکن ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ہم اجتماعی صورت میں نظامِ دینی کو عملاً نافذ و قائم کرنے اور مانع و مزاحم طاقتوں کو اس کے رستے سے ہٹانے کے لیے جدوجہد بھی کریں۔" آگے چل کر اسی سلسلے میں کہا گیا تھا:

"یہ بات ہر اُس شخص کو جو جماعتِ اسلامی میں آئے، اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو کام اس جماعت کے پیشِ نظر ہے وہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں ہے۔ اسے دنیا کے پورے نظامِ زندگی کو بدلنا ہے۔ اسے دنیا کے اخلاق، سیاست، تمدن، معیشت، معاشرت ہر چیز کو بدل ڈالنا ہے۔ دنیا میں جو نظامِ حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے اُسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے اس کی جنگ ہے۔"[1]

۱۹۴۵ء کے اجتماع دارالاسلام میں "دعوتِ اسلامی اور اس کے طریقِ کار" کے عنوان پر ایک مفصل تقریر کی گئی تھی۔ اُس میں جماعتِ اسلامی کا مقصد یہ بیان ہوا تھا:

"ہمارے پیشِ نظر صرف ایک سیاسی نظام کا قیام نہیں ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ پوری انسانی زندگی ـــــ انفرادی اور اجتماعی ـــــ میں وہ ہمہ گیر انقلاب رونما ہو جو اسلام رونما کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے اللہ نے اپنے انبیاء کو مبعوث کیا تھا، اور جس کی دعوت دینے اور جد و جہد کرنے کے لیے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی امامت و رہنمائی میں امتِ مسلمہ کے نام سے ایک گروہ بنتا رہا ہے۔"

پھر اس دعوت کا خلاصہ حسبِ ذیل تین نکات کی شکل میں پیش کیا گیا تھا:

۱۔ یہ کہ ہم بندگانِ خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں اُن کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرلے، یا اس کو ماننے کا دعویٰ اور اظہار کرے، اس کو ہم دعوت دیتے

[1] رودادِ اجتماعِ اول۔

ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کرے، اور جب وہ مسلمان ہے یا بنتا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

۳- یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں اور فساق و فجار کی رہ نمائی میں چل رہا ہے، اور معاملات دنیا کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے، ہم دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہ نمائی و امامت، نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مومنین صالحین کے ہاتھوں میں منتقل ہو۔

اس کے بعد ان تینوں نکات کی تشریح کی گئی تھی۔ اللہ کی بندگی، جس کی طرف دعوت دینا جماعت کا اولین کام بنایا گیا تھا، اُس کا مطلب ان الفاظ میں بیان کیا گیا تھا:

"انسان خدا کو پورے معنی میں الٰہ اور رب، معبود اور حاکم، آقا اور مالک، رہ نما اور قانون ساز، محاسب اور مجازی (جزا دینے والا) تسلیم کرے اور اپنی پوری زندگی کو، خواہ وہ شخصی ہو یا اجتماعی، اخلاقی ہو یا مذہبی، تمدنی و سیاسی اور معاشی ہو یا علمی و نظری، اسی ایک خدا کی بندگی میں سپرد کر دے ...... بندگی حق کے اس مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سچے دل سے یہ چاہیں کہ جو طریقِ زندگی، جو قانونِ حیات، جو اصول تمدن و اخلاق و معاشرت و سیاست، جو نظام فکر و عمل اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کے واسطے سے ہمیں دیا ہے، ہماری زندگی کا پورا کاروبار اسی کی پیروی میں چلے اور ہم ایک لمحے کے لیے بھی، اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے شعبے کے اندر بھی، اس نظام حق کے خلاف کسی دوسرے نظام کے تسلّط کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں"۔

منافقت، جسے زندگی سے خارج کرنا جماعتِ اسلامی کی دعوت کا دوسرا نکتہ قرار دیا گیا تھا، اس کی تشریح یہ کی گئی تھی:

"منافقانہ رویے سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی جس دین کی پیروی کا دعویٰ کرے اس کے بالکل برخلاف نظام زندگی کو اپنے اوپر حاوی و مسلّط پا کر راضی اور مطمئن رہے، اس کو بدل کر اپنے دین کو اس کی جگہ قائم کرنے کی کوئی سعی نہ کرے، بلکہ اس کے برعکس اسی فاسقانہ و باغیانہ نظام زندگی کو اپنے لیے سازگار بنانے اور اس میں اپنے لیے آرام کی جگہ پیدا کرنے کی فکر کرتا رہے، یا اگر اس کو بدلنے کی

کوشش بھی کرے تو اس کی غرض یہ نہ ہو کہ اس فاسقانہ نظام زندگی کی جگہ دین حق قائم ہو، بلکہ صرف یہ کوشش کرے کہ ایک فاسقانہ نظام ہٹ کر دوسرا فاسقانہ نظام اس کی جگہ قائم ہو جائے . . . .

. . . . ہمارا ایک نظام زندگی پر ایمان رکھنا اور دوسرے نظام زندگی پر راضی رہنا بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مخلصانہ ایمان کا اولین تقاضا یہ ہے کہ جس طریق زندگی پر ہم ایمان رکھتے ہیں اسی کو ہم اپنا قانون حیات دیکھنا چاہیں . . . . ایمان تو اس میں کسی چھوٹی سے چھوٹی رکاوٹ کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا، کجا کہ پورا کا پورا دین کسی دوسرے نظام زندگی کا تابع مہمل بن کر رہ گیا ہو، دین کے کچھ اجزا پر عمل ہوتا بھی ہو تو صرف اس وجہ سے کہ غالب نظام زندگی نے اس کو بے ضرر سمجھ کر رعایۃً باقی رکھا ہو، اور ان رعایات کے ماسوا ساری زندگی کے معاملات دین کی بنیادوں سے ہٹ کر غالب نظام زندگی کی بنیادوں پر چل رہے ہوں، اور پھر بھی ایمان اپنی جگہ نہ صرف خوش اور مطمئن ہو، بلکہ جو کچھ بھی سوچے اسی غلبہ کفر کو اصول موضوعہ کے طور پر تسلیم کر کے سوچے! اس قسم کا ایمان چاہے فقہی اعتبار سے معتبر ہو، لیکن دینی لحاظ سے تو اس میں اور نفاق میں کوئی فرق نہیں۔"

اس کے بعد تیسرے نکتے، یعنی انقلاب امامت، یا انقلاب قیادت کی توضیح کرتے ہوئے کہا گیا تھا:

" ہمارا اپنے آپ کو بندگی رب کے حوالے کر دینا، اور اس حوالگی و سپردگی میں ہمارا منافق نہ ہونا بلکہ مخلص ہونا، اور پھر ہمارا اپنی زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اُس نظام زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر و دہریت، فسق و فجور، اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے، اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین اور جس کا انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کی شرائع کے قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمامِ کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی، جب تک علوم و فنون، آرٹ اور ادب، تعلیم و تدریس، نشر و اشاعت، قانون سازی اور تنفیذِ قانون، مالیات، صنعت و حرفت اور تجارت، انتظام ملکی اور تعلقات بین الاقوامی، ہر چیز کی باگ ڈور یہ سنبھالے رہیں گے،

کسی شخص کے لیے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور خدا کی بندگی کو اپنا ضابطۂ حیات بنا کر رہنا نہ صرف عملاً محال ہے، بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا غیر ممکن ہے۔"

"اس کے علاوہ صحیح معنوں میں جو شخص بندۂ رب ہو اس پر من جملہ دوسرے فرائض کے ایک اہم ترین فرض یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ خدا کی رضا کے مطابق دنیا کے انتظام کو فساد سے پاک اور صلاح پر قائم کرے۔ اور ظاہر بات ہے کہ یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک زمام کار صالحین کے ہاتھ میں نہ ہو۔ فساق و فجار اور خدا کے باغی اور شیطان کے مطیع دنیا کے امام و پیشوا اور منتظم بھی رہیں اور پھر دنیا میں ظلم و فساد اور بداخلاقی و گمراہی کا دور دورہ بھی نہ ہو، یہ عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور آج تجربہ و مشاہدہ سے کالشمس فی النہار یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔"

پھر جماعت اسلامی کی تنظیم کا مدعا اس طرح بیان کیا گیا تھا:

"ہماری دعوت صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ دنیا کی زمام کار فساق و فجار کے ہاتھوں سے نکلے اور مومنین صالحین کے ہاتھوں میں آئے، بلکہ ایجاباً ہماری دعوت یہ ہے کہ اہل خیر و صلاح کا ایک ایسا گروہ منظم کیا جائے جو نہ صرف اپنے ایمان میں پختہ، نہ صرف اپنے اسلام میں مخلص و یک رنگ، نہ صرف اپنے اخلاق میں صالح و پاکیزہ ہو، بلکہ اس کے ساتھ اُن تمام اوصاف اور قابلیتوں سے بھی آراستہ ہو جو دنیا کی کارگاہِ حیات کو بہترین طریقے پر چلانے کے لیے ضروری ہیں، اور صرف آراستہ بھی نہ ہو بلکہ موجودہ کارفرماؤں اور کارکنوں سے ان اوصاف اور قابلیتوں میں اپنے آپ کو فائق تر ثابت کر دے۔"[1]

۱۹۴۵ء کے اسی اجتماع میں ایک دوسری تقریر بھی کی گئی تھی جو روداد جماعت حصہ سوم میں درج ہے، اور "تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں" کے نام سے الگ بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس میں کہا

[1] روداد جماعت اسلامی حصہ سوم۔ یہ تقریر "دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات" میں بھی درج کی گئی ہے۔

گیا تھا کہ:

"ہماری جدوجہد کا آخری مقصود انقلاب امامت ہے، یعنی دنیا میں ہم جس انتہائی منزل تک پہونچنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فساق و فجار کی امامت و قیادت ختم ہو کر امامتِ صالحہ کا نظام قائم ہو اور اس سعی و جہد کو ہم رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں .... دراصل فساق و فجار کی قیادت ہی نوع انسانی کے مصائب کی جڑ ہے اور انسان کی بھلائی کا سارا انحصار صرف اس پر ہے کہ دنیا کے معاملات کی سربراہ کاری صالح لوگوں کے ہاتھوں میں ہو .... اگر کوئی شخص دنیا کی اصلاح چاہتا ہو اور فساد کو صلاح سے، اضطراب کو امن سے، بداخلاقیوں کو اخلاقِ صالحہ سے اور برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنے کا خواہش مند ہو تو اس کے لیے محض نیکیوں کا وعظ اور خدا پرستی کی تلقین اور حسن اخلاق کی ترغیب ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ نوع انسانی میں جتنے صالح عناصر اس کو مل سکیں انہیں ملا کر وہ اجتماعی قوت بہم پہونچائے جس سے تمدن کی زمام کار فاسقوں سے چھینی جا سکے اور امامت کے نظام میں تغیر کیا جا سکے۔"

"انسانی معاملات کے بناؤ اور بگاڑ کا آخری فیصلہ جس مسئلے پر منحصر ہے وہ یہ سوال ہے کہ معاملاتِ انسانی کی زمام کار کس کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح گاڑی ہمیشہ اسی سمت میں چلا کرتی ہے جس میں ڈرائیور اس کو لے جانا چاہتا ہو، اور دوسرے لوگ جو گاڑی میں بیٹھے ہوں خواستہ و ناخواستہ اسی سمت میں چلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جدھر گاڑی جا رہی ہو، اسی طرح انسانی تمدن کی گاڑی بھی اسی سمت پر سفر کیا کرتی ہے جس سمت وہ لوگ جانا چاہتے ہیں جن کے ہاتھ میں تمدن کی باگیں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین کے سارے ذرائع جن کے قابو میں ہوں، قوت و اقتدار جن کے ہاتھ میں ہو، عام انسانوں کی زندگی جن کے دامن سے وابستہ ہو، خیالات و افکار اور نظریات کو بنانے اور ڈھالنے کے وسائل جن کے قبضے میں ہوں، انفرادی سیرتوں کی تعمیر، اجتماعی نظام کی تشکیل اور اخلاقی قدروں کی تعیین جن کے اختیار میں ہو، ان کی رہ نمائی و فرماں روائی کے تحت رہتے ہوئے انسانیت بحیثیت مجموعی اُس راہ پر چلنے سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتی جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہوں۔ یہ رہ نما و فرماں روا اگر

خدا پرست اور صالح لوگ ہوں تو لامحالہ زندگی کا سارا نظام خدا پرستی اور خیر و صلاح پر چلے گا، بُرے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے، بھلائیوں کو نشو و نما ہوگا اور بُرائیاں اگر مٹیں گی نہیں تو پروان بھی نہ چڑھ سکیں گی۔ لیکن اگر رہ نمائی و قیادت اور فرماں روائی کا یہ اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جو خدا سے برگشتہ اور فسق و فجور میں سرگشتہ ہوں تو آپ سے آپ سارا نظام زندگی خدا سے بغاوت اور ظلم و بد اخلاقی پر چلے گا۔ خیالات و نظریات، علوم و آداب، سیاست و معیشت، تہذیبُ معاشرت، اخلاق و معاملات، عدل و قانون، سب کے سب بحیثیتِ مجموعی بگڑ جائیں گے۔ برائیاں خوب نشو و نما پائیں گی اور بھلائیوں کو زمین اپنے اندر جگہ دینے سے اور ہوا اور پانی ان کو غذا دینے سے انکار کر دیں گے اور خدا کی زمین ظلم و جور سے لبریز ہو کر رہے گی۔ ایسے نظام میں بُرائی کی راہ چلنا آسان اور بھلائی کی راہ چلنا کیا معنی اس پر قائم رہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد خود اسی ملک کی تاریخ کو مثال میں پیش کر کے بتایا گیا تھا کہ جب انگریزوں کے ہاتھ میں زمامِ کار چلی گئی تو کس طرح ایک صدی کے اندر انہوں نے پورے ملک کے اخلاق، اذہان، نفسیات، معاملات اور نظامِ تمدن کو بدل کر رکھ دیا۔ خیالات و نظریات بدلے۔ مذاق اور مزاج بدلے۔ سوچنے کے انداز اور دیکھنے کے زاویے بدلے۔ تہذیب و اخلاق کے معیار اور قدر و قیمت کے پیمانے بدلے۔ زندگی کے طور طریقے اور معاملات کے ڈھنگ بدلے۔ غرض کوئی چیز ایسی نہ رہ گئی جو بدل نہ گئی ہو۔ اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ روز بروز پسپا، عاجز اور شکست خوردہ ہوتے چلے گئے جن کے ہاتھ میں زمامِ کار نہ تھی۔ حتیٰ کہ مقدس ترین مذہبی پیشواؤں کی نسل سے وہ لوگ اٹھنے لگے جنہیں خدا کے وجود اور وحی و رسالت کے امکان اور آخرت کے وقوع میں شک لاحق ہو گیا، اور انہوں نے اپنے آپ ہی کو نہیں، اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی اُس تہذیب کے رنگ میں رنگ لیا، جو اقتدار کے سرچشموں پر قابض ہو چکی تھی۔

اسی سلسلے میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ دین کا مقصود لوگوں سے اللہ کی اطاعت کرانا اور برائیوں کو مٹا کر بھلائیاں پھیلانا ہے، اور یہ مقصد ایسی حالت میں کبھی پورا نہیں ہو سکتا جب کہ نوعِ انسانی کی قیادت و رہ نمائی اور معاملاتِ انسانی کی سربراہ کاری ائمۂ کفر و ضلال کے ہاتھوں میں ہو اور دینِ حق کے پیرو محض

ان کے ماتحت رہ کر ان کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یادِ خدا کرتے رہیں۔ اس لیے اسلام کے نقطۂ نظر سے امامتِ صالحہ کا قیام مرکزی اور مقصدی اہمیت رکھتا ہے۔ جو شخص اس دین پر ایمان لایا ہو اُس کا کام صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا کہ اپنی زندگی کو حتی الامکان اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے، بلکہ عین اس کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی تمام سعی و جہد کو اس ایک مقصد پر مرکوز کر دے کہ زمامِ کار کفار و فساق کے ہاتھ سے نکل کر صالحین کے ہاتھوں میں منتقل ہو اور وہ نظامِ حق قائم ہو جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق دنیا کے انتظام کو درست کرے۔

یہی نصب العین، قریب قریب اسی تشریح کے ساتھ مئی ۱۹۴۷ء کے اجتماع دار الاسلام کی اُس تقریر میں پیش کیا گیا تھا جو "جماعتِ اسلامی کی دعوت" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں جماعتِ اسلامی کا مدعا واضح کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ موجودہ تہذیب، جس پر آج دنیا کا پورا فکری، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور معاشی نظام چل رہا ہے، دراصل تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے: لادینی، قوم پرستی اور جمہوریت۔ جماعتِ اسلامی جس مقصد کے لیے کام کر رہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ سارا نظامِ زندگی چلتا تو رہے انہی بنیادوں پر، مگر اس کے چلانے والے ہاتھ انگریز کے ہاتھ نہ رہیں بلکہ ہندستانی یا مسلمان قوم کے ہاتھ ہو جائیں۔ اس کے برعکس جماعتِ اسلامی یہ چاہتی ہے کہ اس پورے نظامِ زندگی کو ان بنیادوں سے اکھاڑ کر ان دوسری بنیادوں پر قائم کیا جائے: لادینی کے مقابلے میں خدا کی بندگی و اطاعت، قوم پرستی کے مقابلے میں انسانیت، اور جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی حاکمیت اور جمہور کی خلافت۔ نیز یہ جماعت نظامِ زندگی کو چلانے والے ہاتھ بدلنا تو ضرور چاہتی ہے، مگر مغربی ہاتھوں کے بجائے مشرقی ہاتھ نہیں، غیر ملکی ہاتھوں کے مقابلے میں ملکی ہاتھ بھی نہیں، بلکہ فاسق ہاتھوں کے مقابلے میں صالح ہاتھ۔ وہ چاہتی ہے کہ اس پورے نظامِ تمدن کی کارفرمائی اور اس کا انتظام اُن لوگوں کے سپرد ہو جو خدا سے ڈرنے والے، اس کی اطاعت کرنے والے، اور ہر کام میں اس کی رضا چاہنے والے ہوں۔ یہ نصب العین بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا تھا:

"موجودہ زمانے کی بے دین قومی جمہوریت تمہارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے۔ تم اس کے آگے

تسلیم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیرو گے۔ اس کے قیام و بقا میں حصہ لو گے تو اپنے رسول سے غداری کرو گے۔ اس کا جھنڈا اڑانے کے لیے اٹھو گے تو اپنے خدا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرو گے جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اس کی روح اس ناپاک نظام کی روح سے، اس کے بنیادی اصول اس کے بنیادی اصولوں سے، اور اس کا ہر جز اس کے ہر جز سے بر سرِ جنگ ہے۔ اسلام اور یہ نظام کہیں ایک دوسرے سے مصالحت نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام برسرِ اقتدار ہوگا وہاں اسلام نقش برآب رہے گا، اور جہاں اسلام برسرِ اقتدار ہوگا وہاں اس نظام کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ تم اگر واقعی اسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلے میں خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرو۔ خصوصیت کے ساتھ جہاں تم بحیثیت ایک قوم کے برسرِ اقتدار ہو وہاں تو اگر تمہارے ہاتھوں سے اسلام کے اصلی نظام کے بجائے یہ کافرانہ نظام بنے اور چلے تو حیف ہے تمہاری اس مسلمانی پر جس کا نام لینے میں تم اتنے بلند آہنگ اور جس کا کام کرنے سے تم اس قدر بیزار ہو۔"

اس تقریر کا خاتمہ اس اعلان پر ہوا تھا، اور یاد رکھیے کہ یہ اعلان امیرِ جماعت نے ارکانِ جماعت کے اجتماعِ عام میں کیا اور ارکان نے اس کو قبول کیا تھا کہ:

"اب یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ ملک تقسیم ہو جائے گا۔ ایک حصہ مسلمان اکثریت کے سپرد کیا جائے گا اور دوسرا حصہ غیر مسلم اکثریت کے زیرِ اثر ہوگا۔ پہلے حصے میں ہم کوشش کریں گے کہ رائے عام کو ہموار کرکے اس دستور و قانون پر ریاست کی بنیاد رکھیں جسے ہم مسلمان خدائی دستور و قانون مانتے ہیں۔"

رفقائے عزیز! یہ تھا وہ نصب العین جو اول روز سے جماعتِ اسلامی کے سامنے رکھا گیا تھا اور بار بار مختلف مواقع پر دہرایا جاتا رہا ہے۔ میں نے اس کو اتنی شرح و بسط کے ساتھ جماعت کے مستند مآخذ، اور ہر دور کے مآخذ سے اس لیے نقل کیا ہے کہ آپ کے سامنے اس مقصد کی پوری تصویر اپنے تمام

گوشوں سمیت آجائے جس کے حصول کی جدوجہد کرنے کے لیے آپ اٹھے تھے۔ اب یہ آپ کا اپنا کام ہے کہ اس تصویر کو نگاہ میں رکھ کر اپنی جماعت کے پچھلے پانزدہ سالہ کام کو دیکھیں اور یہ رائے قائم کریں کہ آیا یہ کام اسی مقصد اور اسی نصب العین کی راہ میں تھا یا کسی اور چیز کی راہ میں۔ میں پوری دیانت کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی من حیث الجماعت اپنے نصب العین کے صحیح اور مکمل شعور سے کبھی غافل نہیں ہوئی ہے، اور اس نے آج تک ایک ایک قدم خوب سوچ سمجھ کر ٹھیک اپنی منزلِ مقصود کی سمت میں اٹھایا ہے۔ وہ صاف ذہن کے ساتھ سمجھتی رہی ہے کہ اس کا مطلوب و مقصود کیا ہے، اور کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھتی رہی ہے کہ حالات و واقعات کے جنگل میں سے اُس کی منزلِ مقصود کی طرف جانے والا راستہ کون سا ہے۔ اُس کا حال اُن لوگوں کا سا نہیں رہا ہے جن کا ذہن اپنے مقصد کے فہم ہی میں الجھا ہوا ہوتا ہے اور وہ تاریکی میں اٹکل سے کسی طرف کو چل پڑتے ہیں، پھر چلتے چلتے بار بار ٹھیر کر سوچنے لگتے ہیں کہ ہم ٹھیک بھی جا رہے ہیں یا نہیں۔ یہ جماعت آسانی کے ساتھ اس حالت میں مبتلا نہیں ہو سکتی کہ پندرہ سال ایک راستے پر چلنے کے بعد یکایک اسے یہ شبہہ لاحق ہو جائے کہ ہم غلط سمت میں آگئے ہیں اور اب ہمیں الٹے پاؤں پھر کر کسی اور طرف چلنا چاہیے۔ اپنے عمل کی کوتاہیاں اور خامیاں تو وہ جانتی اور مانتی ہے اور ان کی تلافی کے لیے کوشش کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ لیکن اگر کوئی اسے اس بات کا قائل کرنا چاہے کہ وہ اپنے مقصد کے فہم ہی میں غلطی کر گئی ہے اور کسی غلط راستے پر پڑ گئی ہے تو اسے مضبوط دلائل کے ساتھ اُس کے فہم کی غلطی ثابت کرنی ہو گی اور یہ بھی دکھانا ہو گا کہ وہ صحیح راستہ کونسا تھا جسے چھوڑ کر جماعت غلط راستے پر آ نکلی ہے۔

وہ اصول جن کے التزام کا عہد ہم نے کیا تھا

اب ایک نظر اُن اصولوں پر بھی ڈال لیجیے جن کے التزام کا ہم نے اقرار و اعلان کیا تھا۔ یہ اصول جماعت کے پرانے دستور میں عقیدہ، نصب العین اور نظامِ جماعت کے زیرِ عنوان درج تھے، اور جدید دستور میں ان کو عقیدہ، نصب العین، شرائطِ رکنیت اور فرائضِ رکنیت کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جدید دستور کی دفعہ ۱۰ میں جماعت کا مستقل طریقِ کار یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

"(۱) وہ کسی امر کا فیصلہ کرنے یا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھے گی کہ خدا اور رسول کی ہدایت کیا ہے۔ دوسری ساری باتوں کو ثانوی حیثیت سے صرف اُس حد تک پیشِ نظر رکھے گی جہاں تک اسلام میں اس کی گنجائش ہوگی۔

(۲) اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لیے جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں، یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو۔

(۳) جماعت اپنے پیشِ نظر اصلاح اور انقلاب کے لیے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی، یعنی یہ کہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعہ سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے اور رائے عام کو اُن تغیرات کے لیے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیشِ نظر ہیں۔

(۴) جماعت اپنے نصب العین کے حصول کی جدوجہد خفیہ تحریکوں کے طرز پر نہیں کرے گی بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ کرے گی۔"

ان اصولوں کو نگاہ میں رکھ کر آپ خود دیکھیں کہ پچھلے پندرہ سال کے دوران میں جماعت ان کی پابند رہی ہے یا نہیں۔ انفرادی لغزشوں اور کوتاہیوں سے تو بہر حال کوئی جماعت بھی خالی نہیں ہو سکتی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اجتماعی حیثیت سے جماعت اسلامی ان اصولوں کی پوری پابندی کرتی رہی ہے اور یہ سراسر اللہ کا فضل ہے کہ بے اصولی کے وہ انتہائی صبر آزما طوفان بھی جن کے درمیان اسے برسوں کام کرنا پڑا ہے، اسے ایک بے اصول جماعت بنا دینے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ تدابیر کا ردّ و بدل ایک دوسری چیز ہے جسے بعض لوگ غلطی سے اصول کا ردّ و بدل قرار دے بیٹھتے ہیں۔ تدبیروں کا نام اصول نہیں ہے، اور دنیا کی کوئی جماعت بھی ایک تدبیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پکڑ کر نہیں بیٹھ سکتی۔ خصوصیت کے ساتھ جن لوگوں کو سخت مخالف و مزاحم ماحول میں سے اپنا راستہ نکالنا ہو، ان کے لیے تو یہ ناگزیر بھی ہے اور دانائی کا تقاضا بھی کہ اگر ایک وقت انہوں نے ایک تدبیر کو صحیح و مناسب پا کر اختیار کیا ہو اور دوسرے وقت وہ تدبیر موزوں اور کارگر نہ رہے، تو وہ بلا تامل اس کو کسی بہتر اور حالات کے لحاظ سے مناسب تر تدبیر سے بدل دیں۔ اس ردّ و بدل کو اُس وقت تک اصول شکنی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ

ثابت نہ کر دیا جائے کہ جن اصولوں کی پابندی کا ہم نے عہد کیا تھا ان کے حدود اربعہ میں اس رد و بدل کی، یا ہماری اختیار کردہ کسی تدبیر کی گنجائش نہ تھی۔

نکتۂ دوم اب ہمیں قرارداد کے دوسرے نکتے پر غور کرنا ہے جس میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جماعت کو آئندہ لائحۂ عمل وہی رہنا چاہیے جو نومبر ۵۱ء کے اجتماع کراچی میں پیش کیا گیا تھا، کیونکہ وہ بالکل صحیح توازن کے ساتھ مقصد تحریک کے تمام نظری اور عملی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ قبل اس کے کہ قرارداد کے اس جز کے متعلق آپ کوئی رائے قائم کریں، آپ کو دیکھنا چاہیے کہ وہ لائحہ عمل تھا کیا۔ ۱۹۵۱ء کے اجتماع میں اس کو کسی قرارداد کی شکل میں پیش نہیں کیا گیا تھا، بلکہ امیر جماعت نے اسے اپنی اس تقریر میں بیان کیا تھا جو "مسلمانوں کا ماضی و حال اور مستقبل کا لائحہ عمل" کے عنوان سے ایک مستقل پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوئی ہے۔

۱۹۵۱ء کا چار نکاتی لائحہ عمل اس پمفلٹ کے آخری حصے میں لائحہ عمل کے چار اجزا جس تشریح کے ساتھ بیان کیے گئے تھے ان کے ضروری اقتباسات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:۔

(۱) تطہیر افکار و تعمیر افکار

"ہم کئی سال سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور ہماری اس کوشش کا سلسلہ برابر جاری ہے کہ ایک طرف غیر اسلامی قدامت کے جنگل کو صاف کر کے اصلی اور حقیقی اسلام کی شاہراہ مستقیم کو نمایاں کیا جائے، دوسری طرف مغربی علوم و فنون اور نظامِ تہذیب و تمدن پر تنقید کر کے بتایا جائے کہ اس میں کیا کچھ غلط اور قابلِ ترک ہے اور کیا کچھ صحیح اور قابلِ اخذ، تیسری طرف وضاحت کے ساتھ یہ دکھایا جائے کہ اسلام کے اصولوں کو زمانۂ حال کے مسائل و معاملات پر منطبق کر کے ایک صالح تمدن کی تعمیر کس طرح ہو سکتی ہے اور اس میں ایک ایک شعبۂ زندگی کا نقشہ کیا ہو گا۔ اس طریقے سے ہم خیالات کو بدلنے اور ان کی تبدیلی سے زندگیوں کا رخ پھیرنے اور ذہنوں کو تعمیر نو کے لیے فکری غذا بہم پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

(۲) صالح افراد کی تلاش، تنظیم اور تربیت

"ہم ان آبادیوں میں اُن مردوں اور عورتوں کو ڈھونڈ رہے ہیں جو پرانی اور نئی خرابیوں سے پاک

ہوں، یا اب پاک ہونے کے لیے تیار ہوں۔ جن کے اندر اصلاح کا جذبہ موجود ہو۔ جو حق کو حق مان کر اس کے لیے وقت، مال اور محنت کی کچھ قربانی کرنے پر بھی آمادہ ہوں۔ خواہ وہ نئے تعلیم یافتہ ہوں یا پرانے۔ خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے۔ خواہ وہ غریب ہوں یا امیر یا متوسط۔ ایسے لوگ جہاں کہیں بھی ہیں، ہم انہیں گوشۂ عافیت سے نکال کر میدانِ سعی و عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے مقصد، طریقِ کار اور نظامِ جماعت کو قبول کرلیں تو انہیں اپنی جماعت کا رکن بنا لیتے ہیں۔ اور اگر وہ رکنیت کی شرائط پوری کیے بغیر صرف تائید و اتفاق پر اکتفا کریں تو ان کو اپنے حلقۂ متفقین میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو ایک بچا کھچا صالح عنصر موجود ہے، مگر منتشر ہونے کی وجہ سے یا جزوی اصلاح کی پراگندہ کوششیں کرنے کی وجہ سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر رہا ہے، اسے چھانٹ چھانٹ کر ایک مرکز پر جمع کیا جائے اور ایک حکیمانہ پروگرام کے مطابق اس کو اصلاح و تعمیر کی منظم سعی میں لگایا جائے۔ ہم صرف اس تنظیم ہی پر قناعت نہیں کر رہے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ ان منظم ہونے والوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا بھی انتظام کر رہے ہیں تاکہ ان کی فکر زیادہ سے زیادہ سلجھی ہوئی، اور ان کی سیرت زیادہ سے زیادہ پاکیزہ، مضبوط اور قابلِ اعتماد ہو۔ ہمارے پیشِ نظر ابتدا سے یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام محض کاغذی نقشوں اور زبانی دعووں کے بل پر قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کے قیام اور نفاذ کا سارا انحصار اس پر ہے کہ آیا اس کی پشت پر تعمیری صلاحیتیں اور صالح انفرادی سیرتیں موجود ہیں یا نہیں۔ کاغذی نقشوں کی خامی تو اللہ کی توفیق سے علم اور تجربہ ہر وقت رفع کرسکتا ہے، لیکن صلاحیت اور صالحیت کا فقدان سرے سے کوئی عمارت اٹھا ہی نہیں سکتا، اور اٹھا بھی لے تو سہار نہیں سکتا۔"

(۳) اجتماعی اصلاح کی سعی

"اس میں سوسائٹی کے ہر طبقے کی اُس کے حالات کے لحاظ سے اصلاح شامل ہے۔ اور اس کا دائرہ اُتنا ہی وسیع ہو سکتا ہے جتنے ہمارے ذرائع وسیع ہوں۔ ہم اپنے ارکان اور کارکن متفقین کو ان کی... صلاحیتوں کے لحاظ سے مختلف حلقوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر ایک کے سپرد وہ کام کرتے ہیں جس کے

لیے وہ اہل تر ہو........ یہ سب اگرچہ اپنے الگ حلقہائے کار رکھتے ہیں، مگر سب کے سامنے ایک مقصد اور ایک اسکیم ہے جس کی طرف وہ قوم کے سارے طبقوں کو گھیر کر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا متعین نصب العین یہ ہے کہ اُس ذہنی، اخلاقی اور عملی انارکی کو ختم کیا جائے جو پرانے جمودی اور نئے انفعالی رجحانات کی وجہ سے ساری قوم میں پھیلی ہوئی ہے، اور عوام سے لے کر خواص تک سب میں صحیح اسلامی فکر، اسلامی سیرت اور سچے مسلمانوں کی سی عملی زندگی پیدا کی جائے۔

...... اِس عمومی اصلاح کے پورے لائحۂ عمل کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو شخص جس حلقے اور طبقے میں بھی کام کرے، مسلسل اور منظم طریقے سے کرے اور اپنی سعی کو ایک نتیجے تک پہونچائے بغیر نہ چھوڑے۔ ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ ہوا کے پرندوں اور آندھی کے جھکڑوں کی طرح بیج پھینکتے چلے جائیں۔ اس کے برعکس ہم کسان کی طرح کام کرنا چاہتے ہیں جو ایک متعین رقبے کو لیتا ہے، پھر زمین کی تیاری سے لے کر فصل کی کٹائی تک مسلسل کام کر کے اپنی محنتوں کو ایک نتیجے تک پہونچا کر دم لیتا ہے۔ پہلے طریقے سے جنگل پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے طریقے سے باقاعدہ کھیتیاں تیار ہوا کرتی ہیں۔"

(۴) نظامِ حکومت کی اصلاح

"ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے موجودہ بگاڑ کو درست کرنے کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اصلاح کی دوسری کوششوں کے ساتھ ساتھ نظامِ حکومت کو درست کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے۔ اس لیے کہ تعلیم اور قانون اور نظم و نسق اور تقسیمِ رزق کی طاقتوں کے بل پر جو بگاڑ اپنے اثرات پھیلا رہا ہو، اُس کے مقابلے میں بناؤ اور سنوار کی وہ تدبیریں جو صرف وعظ و تلقین اور تبلیغ کے ذرائع پر منحصر ہوں، کبھی کارگر نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا اگر ہم فی الواقع اپنے ملک کے نظامِ زندگی کو فسق و ضلالت کی راہ سے ہٹا کر دینِ حق کی صراطِ مستقیم پر چلانا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ بگاڑ کو مسندِ اقتدار سے ہٹانے اور بناؤ کو اس کی جگہ متمکن کرنے کی براہِ راست کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر اہلِ خیر و صلاح کے ہاتھ میں اقتدار ہو تو وہ تعلیم اور قانون اور نظم و نسق کی پالیسی کو تبدیل کر کے چند سال کے اندر وہ کچھ کر ڈالیں گے جو غیر سیاسی تدبیروں سے ایک صدی میں بھی نہیں ہو سکتا۔

"یہ تبدیلی کس طرح ہو سکتی ہے ؟ ایک جمہوری نظام میں اس کا راستہ صرف ایک ہے۔ اور وہ ہے انتخابی جدوجہد۔ رائے عام کی تربیت کی جائے۔ عوام الناس کے معیارِ انتخاب کو بدلا جائے۔ انتخاب کے طریقوں کی اصلاح کی جائے اور پھر ایسے صالح لوگوں کو اقتدار کے مقام پر پہونچایا جائے جو ملک کے نظام کو خالص اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور قابلیت بھی"۔ . . . . . .

" ہمیں اطمینان ہے کہ ہم اِس طریقے سے مسلسل کام کر کے اپنے ملک کی پبلک کو بتدریج چند سال کے اندر کافی تربیت دے سکیں گے اور ہر نئے انتخاب کے موقع پر خود بخود پیمائش ہوتی چلی جائے گی کہ اس تربیت کے اثرات کو پبلک نے کس حد تک قبول کیا۔ ہو سکتا ہے کہ نظام حکومت کی واقعی تبدیلی میں ۲۵ سال صرف ہو جائیں، یا اس سے بھی زیادہ۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ تبدیلی کا صحیح راستہ یہی ہے، اور جو تبدیلی اس طریقے سے ہوگی وہ ان شاء اللہ پائیدار و مستحکم ہوگی"۔

لائحہ عمل کی اہم خصوصیات یہ تھا وہ لائحہ عمل جو ۱۹۵۱ء کے اجتماع میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے ہر جزو کی تشریح میں جو کچھ اُس وقت کہا گیا تھا، اُس سے خود یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کوئی نیا لائحہ عمل نہ تھا جو پہلی مرتبہ ۱۹۵۱ء ہی میں پیش کیا گیا ہو، بلکہ دراصل وہ پہلے سے جماعت کا لائحہ عمل چلا آرہا تھا اور اس تقریر میں اسے صرف ایک ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا گیا تھا تاکہ جماعت کے کارکن اور عام سامعین اُس اسکیم کو سمجھ سکیں جس پر جماعتِ اسلامی برسوں سے کام کر رہی تھی۔

اِس لائحہ عمل کو اگر آپ اُس نصب العین کے ساتھ ملا کر دیکھیں جس کی تشریح ابھی میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں تو آپ بیک نظر محسوس کر لیں گے کہ یہ لائحہ عمل اُس نصب العین کا فطری تقاضا ہے اور اِس کا ایک ایک جزو اُس کے ایک ایک گوشے پر ٹھیک ٹھیک منطبق ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس جماعت کا وہ نصب العین ہو اس کا یہی لائحہ عمل ہونا چاہیے اور یہی ہو سکتا ہے۔ اِس کے سوا اُس کا کوئی اور لائحہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

اِس کے چاروں اجزاء آپس میں ایسا منطقی ربط رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا تقاضا کرتا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے، اور جس کو بھی ساقط کر دیا جائے اس کے سقوط سے ساری اسکیم خراب ہو جاتی ہے۔ جماعت کے نصب العین کا حصول اگر ممکن ہے تو ان چاروں اجزاء پر بیک وقت متوازی کام، اور متوازن

طریقے پر کام کرنے ہی سے ممکن ہے۔ آپ اِس کے جس جز کو بھی الگ کر دیں گے، باقی اجزاء کا کام نہ صرف کمزور اور بے اثر ہو جائے گا، بلکہ اپنے نصب العین کے لیے آپ کی جدوجہد ہی لاحاصل ہو کر رہ جائے گی۔

اس کا پہلا جز، اسلام کی خالص دعوت کو نکھار کر پیش کرتا ہے، اُس کی قبولیت کے لیے عوام اور خواص کو تیار کرتا ہے، اور اس کی کامیابی کے لیے ذہنی فضا ہموار کرتا ہے۔ یہ اس تحریک کا اوّلین بنیادی کام ہے جس کے بغیر آگے کے کسی کام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اِس کا دوسرا جز، دعوت قبول کرنے والوں کو منظّم کرتا ہے اور اُن کی قوتوں کو دعوت کی توسیع میں اور اس کی کامیابی کے لیے جدوجہد کرنے میں استعمال کرتا ہے۔ یہ جز پہلے جز کا لازمی تقاضا ہے۔ دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اگر آپ دعوت قبول کرنے والوں کو منظم نہ کرتے جائیں، اور اُن کو دعوت کے مقاصد کی تحصیل کے لیے تیار نہ کرتے رہیں، اور انہیں عملاً اس کام میں لگاتے نہ چلے جائیں تو دعوت بجائے خود بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہی کام تو اُس مشینری کو تیار کرتا ہے جو دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے درکار ہے۔ آخر دعوت کا حاصل کیا ہے اگر آپ صرف پکارتے رہیں اور اُن لوگوں کو جو آپ کی پکار پر لبیک کہہ کر آئیں، اکٹھا کر کے کسی کام پر نہ لگائیں۔

اِس کا تیسرا جز، معاشرے کو اسلامی نظامِ زندگی کے لیے عملی اور اخلاقی حیثیت سے تیار کرتا ہے حقیقت کے اعتبار سے یہ کوئی الگ کام نہیں ہے جسے اِس پروگرام میں شامل کرنے یا نہ کرنے کا کوئی سوال پیدا ہو سکے۔ در اصل یہ اُسی کام کی تفصیل ہے جو لائحۂ عمل کے دوسرے جز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ دعوت قبول کرنے والوں کو منظم کر کے اور تربیت دے کر جس کام میں لگائیں گے وہ معاشرے کی اصلاح ہی کا کام تو ہو گا۔ معاشرے کی اصلاح کا جتنا کام آپ کریں گے آپ کی دعوت وسیع ہو گی اور آپ کی تنظیم کے لیے مزید کارکن ملیں گے۔ اور آپ کی دعوت و تنظیم جتنی وسیع ہو گی اتنا ہی معاشرے کی اصلاح کا دائرہ پھیلتا جائے گا اور اسلامی نظامِ زندگی کے لیے زمین ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ اِس طرح یہ دونوں اجزاء بالکل ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ آپ کسی حال میں اس بات کا تصور نہیں کر سکتے کہ ان میں سے ایک آپ کے لائحۂ عمل میں شامل ہو اور دوسرا نہ ہو۔

اب چوتھے جز کو لیجیے۔ یہ چاہتا ہے کہ جیسے جیسے آپ کی دعوت مقبول ہو اور اس کے قبول کرنے والوں کی تنظیم قوت پکڑتی جائے اور معاشرہ اُس کے لیے تیار ہوتا جائے، اُسی نسبت سے آپ اسلامی نظامِ زندگی کو

عملاً برسرِ اقتدار لانے اور جاہلیت کی پشت پناہ طاقتوں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتے چلے جائیں۔ اپنے اصل نصب العین کو نگاہ میں رکھ کر اگر آپ اس لائحۂ عمل کے پہلے تین اجزاء پر غور کریں گے تو یہ چوتھا جزو اُن تینوں کا ایسا فطری تقاضا نظر آئے گا کہ اگر یہ آپ کے پروگرام میں شامل نہ ہو تو وہ تینوں سراسر بے معنی ہو جائیں گے۔ آخر آپ دعوت کس چیز کی دیتے ہیں؟ اسی چیز کی نا کہ اسلامی نظامِ زندگی قائم ہو۔ اِس دعوت کے قبول کرنے والوں کو منظم کرنے اور حرکت میں لانے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ اسلامی نظامِ زندگی کے قیام کی جدوجہد کریں۔ معاشرے کو آپ کس غرض کے لیے تیار کرتے ہیں؟ اس کے سوا اور اس کی کیا غرض ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی کے لیے زمین ہموار ہو۔ اب خود سوچیے کہ یہ سارے کام کرنے کا فائدہ کیا ہے اگر آپ ان کاموں سے حاصل ہونے والے نتائج کو اصل مقصد کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ساتھ ساتھ استعمال نہ کرتے چلے جائیں۔ آپ کا اصل مقصد آخر کار جس کام کے ذریعہ سے حاصل ہونا ہے وہ یہی چوتھا کام ہی تو ہے۔ یہ آپ کے پروگرام میں شامل نہ ہو تو پہلے تین کام ایک سعیِ بے حاصل کے سوا کچھ نہ ہوں گے اور انہیں کر کے آپ زیادہ سے زیادہ بس مبلّغوں کی ایک جماعت بن کر رہ جائیں گے جن کی پہلے بھی اس ملک میں کوئی کمی نہ تھی۔ اس طرح کی تبلیغ و تلقین اور اصلاحِ اخلاق کی کوششوں سے جاہلیت کا سیلاب نہ پہلے رُکا تھا نہ اب رُک سکتا ہے۔

اِس تجزیہ و تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس نتیجۂ مطلوب کے لیے جماعتِ اسلامی کی یہ ساری اسکیم بنائی گئی تھی وہ لائحۂ عمل کے ان چاروں اجزاء پر بیک وقت کام کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر وہ نتیجہ فی الواقع آپ کو مطلوب ہے تو پھر اس پورے مرکب ہی پر آپ کو ایک ساتھ کام کرنا ہوگا۔ اس کے اجزاء کا باہمی ربط توڑ کر، یا اس میں کمی بیشی کر کے، یا ان میں سے بعض کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر کے آپ اپنی تحریک کی ناکامی کے سوا اور کچھ حاصل نہ کریں گے۔

نکتۂ سوم | قرارداد کا تیسرا حصہ اس غلط فہمی کو رفع کرتا ہے کہ جماعت کا لائحۂ عمل پہلے شاید کچھ اور رہا ہو اور یہ چار نکاتی لائحۂ عمل کوئی نیا پروگرام ہو جو پہلی مرتبہ ۱۹۵۱ء میں پیش کیا گیا ہو۔ اس حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جہاں تک اس پروگرام کے پہلے تین اجزاء کا تعلق ہے، یہ تو شروع ہی سے ہمارے لائحۂ عمل کے اجزائے لازم رہے ہیں اور اول روز سے جماعت اُن پر عمل کر رہی ہے۔

اِس بات کی تصدیق کے لیے میں آپ کو جماعت کے بالکل ابتدائی دور کی کارروائیوں کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ ۱۹۴۱ء میں تشکیل جماعت کے ساتھ پہلے ہی اجتماع میں اپنے کام کے لیے جو پروگرام ہم نے بنایا تھا وہ یہ تھا:۔

"جماعت کا ابتدائی پروگرام اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک طرف اس میں شامل ہونے والے افراد اپنے نفس اور اپنی زندگی کا تزکیہ کریں، اور دوسری طرف جماعت سے باہر جو لوگ ہوں (خواہ وہ قومی مسلمان ہوں یا غیر مسلم) ان کو بالعموم حاکمیت غیر اللہ کا انکار کرنے اور حاکمیتِ رب العالمین کو تسلیم کرنے کی دعوت دیں۔ اِس دعوت کی راہ میں جب تک کوئی قوت حائل نہ ہو، ان کو بھی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں۔ اور جب کوئی قوت حائل ہو، خواہ وہ کوئی قوت ہو، توان کو اس کے علی الرغم اپنے عقیدے کی تبلیغ کرنی ہوگی اور اس تبلیغ میں جو مصائب بھی پیش آئیں، ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہوگا۔ بعد کے مراحل کے متعلق اِس وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جیسے حالات پیش آئیں گے انہی کے لحاظ سے قدم اٹھایا جائے گا۔ البتہ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایک مضبوط جمے ہوئے اور زمین پر چھائے ہوئے دین (نظامِ اطاعتِ غیر اللہ) کو اکھاڑ کر دوسرے دین (نظامِ اطاعتِ الٰہی) کو قائم کرنا بہرحال آسان کام نہیں ہے۔[1]"

اسی اجتماع میں جماعت کے کام کو چار شعبوں (علمی و تعلیمی، نشر و اشاعت، تنظیم جماعت، اور دعوت و تبلیغ) میں تقسیم کر کے جو خدمات ہر شعبے کے سپرد کی گئی تھیں وہ قریب قریب اُسی نقشے پر تھیں جو دس سال بعد آپ کو ۱۹۵۱ء کے لائحہ عمل میں نظر آرہا ہے[2]۔ اور یہی نقشہ آپ مجلس شوریٰ کے اولین اجلاس (فروری ۴۲ء) کی تجاویز اور جماعت کے عارضی مرکز کی اسکیم (جولائی ۴۲ء) میں بھی پائیں گے[3]۔ اِن چیزوں کو دیکھ کر آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی ابتدا سے ایک سوچے سمجھے نقشے پر کام کر رہی ہے۔ اس نقشے کی تفصیلات تو ہمارے ذرائع و وسائل کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور پھیلتی رہی ہیں، لیکن اس کے بنیادی خطوط وہی رہے ہیں جو اول روز سے اِس کام میں ہمارے پیش نظر تھے۔ اور اس یکسانیت کی وجہ یہ ہے کہ جس نصب العین کے لیے ہم کام کر رہے ہیں وہ اِسی نقشہ کار کا متقاضی ہے۔

نکتہ چہارم | قرارداد کے چوتھے حصے میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء کے لیے فی الحال وہ پروگرام

---

[1] جماعت اسلامی کا پہلا دستور ص ۱۶ [2] روداد جماعت حصہ اول صفحہ ۱۹ تا ۲۴ [3] ایضاً صفحہ ۳۱ تا ۳۹

کافی ہے جو اس قرارداد کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا جا رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں سمجھیے کہ جو ذرائع و وسائل اس وقت ہمیں میسر ہیں اُن کو دیکھتے ہوئے ہم سر دست اُس قدر کام اپنے ذمے لے رہے ہیں جسے انجام دینے کی اِن وسائل کے ساتھ ہم توقع رکھتے ہیں۔ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے وسائل میں اضافہ کر دے تب بھی ہم اتنے ہی کام پر اکتفا کریں گے، یا موجودہ وسائل کے ساتھ اگر کوئی مزید خدمت بھی ہمارے لیے ممکن ہوئی جو اس پروگرام میں درج نہیں ہے، تو ہم اس سے منہ موڑ لیں گے۔

اب میں اس پروگرام کا تجزیہ کر کے بتاؤں گا کہ لائحۂ عمل کے ایک ایک جزء کے لیے اِس میں کیا کچھ رکھا گیا ہے اور اُس کا منشا پورا کرنے کے لیے آپ کو کیا کچھ کرنا ہے۔

علمی و فکری میدان میں کام ہمارے لائحۂ عمل کا پہلا جز تطہیر افکار و تعمیر افکار ہے۔ یہ بجائے خود اتنا وسیع میدانِ کار ہے جس میں اگر ساری جماعت اپنے اوقات کا ایک ایک لمحہ اور اپنے وسائل کا ایک ایک حبہ بھی صرف کر ڈالے تو اس کے کسی ایک گوشے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ لیکن ہمیں بہرحال اپنی ساری طاقت ایک ہی میدان میں صرف نہیں کر دینی ہے بلکہ توازن کے ساتھ وہ سارے کام کرنے ہیں جو ہمارے نصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس لیے علمی و فکری میدان کے مختلف گوشوں میں ہم نے صرف اہم ضروریات کو سامنے رکھ کر ۱۹۵۸ء کے اختتام تک کے لیے کام کا ایک منصوبہ بنایا ہے جو پانچ بڑے بڑے شعبوں پر مشتمل ہے:-

شعبۂ تعلیم۔ اس میں تین کام ہم نے اپنے ذمے لیے ہیں (۱) علوم دینی کی تعلیم کا ایسا انتظام جس سے جدید زمانے کی ضرورت کے مطابق علما تیار ہو سکیں۔ (۲) ابتدائی تعلیم کے ایسے مدارس کا قیام جن میں دینی تعلیم کا انتظام بھی ہو اور اخلاقی تربیت کا بھی۔ (۳) تعلیم بالغان کے ایسے مراکز کا قیام جہاں اَن پڑھ عوام کو خواندہ بنانے کے ساتھ اُن کو دین سے بھی واقف کرایا جائے اور اپنے طبقے کے دوسرے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ بھی ان میں بیدار کیا جائے۔

شعبۂ تراجم۔ اس میں سابق کاموں کو جاری رکھتے ہوئے چار خاص کاموں کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ (۱) انگریزی زبان میں جماعت کے لٹریچر کا ترجمہ۔ (۲) بنگلہ زبان میں چند ایسی کتابوں کا ترجمہ جن کی مشرقی پاکستان میں

فوری ضرورت ہے۔ (۳) ایک بنگلہ پرچے کی اشاعت۔ (۴) اردو زبان میں اسلام کے متعلق ضروری کتابوں کے ترجمے کرانے کے لیے ایک ادارے کا قیام۔

شعبۂ نشرِ افکار۔ اس میں دارالمطالعوں کی توسیع کا پروگرام رکھا گیا ہے۔

شعبۂ تحقیقاتِ علمی۔ اس میں ایک ایسے ادارے کا قیام تجویز کیا گیا ہے جو عمدہ ذہنی استعداد رکھنے والے نوجوانوں کو علمی تحقیقات کے لیے تیار کرے۔ اور جب تک ایسے ادارے کا قیام ممکن نہ ہو، اس وقت تک کے لیے کم سے کم یہ پروگرام بنایا گیا ہے کہ جماعت کے کارکنوں میں جو لوگ اچھی صلاحیتیں رکھتے ہیں انہیں دوسری سرگرمیوں سے فارغ کر کے مختلف شعبوں میں علمی کام پر لگایا جائے۔

شعبۂ خواتین۔ اس میں ایک ایسے ادارے کا قیام تجویز کیا گیا ہے جو عورتوں کے لیے لٹریچر بھی تیار کرے اور تعلیم و تربیت کی خدمت بھی انجام دے۔

توسیع جماعت اور اندرونی اصلاح لائحۂ عمل کا دوسرا جز صالح افراد کی تلاش، تنظیم اور تربیت ہے۔ یہ کام دراصل نظامِ جماعت کی توسیع و استحکام کا کام ہے جسے ابتدا سے جماعت کرتی چلی آرہی ہے، اور آج ہماری جتنی کچھ بھی طاقت ہے اسی کام کی بدولت ہے۔ اب اس کے لیے جو پروگرام بنایا گیا ہے وہ دو حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا حصہ توسیع جماعت کا ہے جس میں ۱۹۵۶ء کے اختتام تک متفقین کی تعداد مشرقی پاکستان میں دس ہزار اور مغربی پاکستان میں ۴۰ ہزار تک پہونچانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ یہ محض توسیع جماعت ہی کا کام نہیں ہے بلکہ توسیع دعوت اور نشرِ افکار اور اصلاح معاشرہ کا کام بھی ہے۔ اس لیے کہ جب تک آپ لاکھوں آدمیوں تک اپنا پیغام نہ پہونچائیں گے، ہزاروں آدمیوں کو متفق بنا کر جماعت سے منسلک نہ کرسکیں گے۔ اور جتنے آدمیوں کو آپ متفق بنائیں گے اتنے ہی اِس معاشرے میں دعوتِ اسلامی سے ذہنی و اخلاقی طور پر متاثر ہونے والے پیدا کریں گے اور سب نہیں تو ان میں سے ایک کثیر تعداد ایسی بھی نکل آئے گی جو اصلاح عمومی کی خدمت کے لیے کارکن بن سکے گی۔

دوسرا حصہ جماعت کی اندرونی اصلاح اور کارکنوں کی تربیت سے متعلق ہے۔ اِس حصے میں ہم نے اپنے تجربات کی بنا پر اُن اسباب کو ٹھیک ٹھیک مشخص کیا ہے جو جماعت میں خرابیوں کی پیدائش کے موجب ہوتے ہیں، اور

اُن کا علاج تجویز کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک جماعت کے اندر خرابی پیدا ہونے کے چار بڑے سبب ہیں:۔

اول یہ کہ کارکنوں کے درمیان نزاعات رونما ہوں اور انہیں بر وقت رفع نہ کیا جائے۔

دوم یہ کہ کسی مقام یا علاقے میں کسی وجہ سے جماعت کا کام بگڑ رہا ہو، یا سست پڑ رہا ہو اور اس کی طرف فوراً توجہ نہ کی جائے۔

سوم یہ کہ ارکانِ جماعت کی اخلاقی و دینی حالت، اُن کے معاملات، اور نظمِ جماعت میں ان کے طرزِ عمل کا محاسبہ نہ ہوتا رہے، قابلِ اصلاح لوگوں کی اصلاح کے لیے کوشش نہ کی جائے، اور ناقابلِ اصلاح لوگوں کو جماعت سے خارج کرنے میں بے جا تساہل برتا جائے۔

چہارم یہ کہ جماعت کے کارکنوں کی تربیت کا مناسب انتظام نہ ہو، اور وہ اُس عقیدے اور فکر اور جذبے سے غافل ہوتے چلے جائیں جو تحریکِ اسلامی کے خادموں کو حرکت میں لانے والی اصل قوتِ محرکہ ہے۔

ہم نے جماعت کی اندرونی اصلاح کا جو پروگرام بنایا ہے وہ انہی چار اسباب کے علاج پر مرکوز کیا گیا ہے۔

جماعتِ اسلامی نے ارکان کی کمیّت کو کبھی اہمیت نہیں دی ہے۔ اس کی نگاہ ہمیشہ ارکان کی کیفیت پر رہی ہے۔ وہ اس بات کی قائل ہے کہ خام آدمیوں کی ایک بھیڑ جمع کر لینے سے کچھ حاصل نہیں۔ ہمارے پاس چاہے مٹھی بھر آدمی ہی ہوں، لیکن اگر وہ سیرتِ صالحہ اور جذبۂ صادق رکھتے ہوں، نظم میں مضبوط اور عمل میں سرگرم ہوں، اور آپس میں بُنیان مرصوص کی طرح جُڑے ہوئے ہوں تو وہ اٹھ کر وقت کے سیلاب کا منہ موڑ سکتے ہیں اور واقعات کی رفتار کو اپنے عقیدے کے مطابق بدل جانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

ہم اس بات کے بھی کبھی قائل نہیں رہے ہیں کہ اگر ہمارے ساتھ دو چار یا دس بیس فی صدی بے کار آدمی آگئے ہوں، یا اب بے کار ہو گئے ہوں تو ہم اُن کی خاطر اپنی راہ کھوٹی کریں اور بیٹھ کر اپنے لائحۂ عمل پر نظر ثانی شروع کر دیں۔ ہم پہلے بھی سیکڑوں بے کار ساتھیوں کو چھانٹ کر پھینک چکے ہیں اور اب بھی یہی کریں گے۔ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قافلے کو اپنے نصب العین کی طرف مسلسل پیش قدمی جاری رکھنی چاہیے۔ جو ساتھ چل سکتا ہو وہ چلے۔ اور جو نہ چل سکتا ہو وہ الگ ہو جائے۔ یا خود الگ نہ ہو تو الگ کر دیا جائے۔ درماندگانِ راہ کو سنبھالنے اور آگے لے چلنے کی کوشش تو ہم ضرور کریں گے، مگر ان کی خاطر اپنی راہ کھوٹی نہ کریں گے، اور نہ کوئی ایسا قدم اٹھانے سے باز رہیں گے جو

ہمارے مقصد کے لیے ضروری ہو۔

عوامی اصلاح و تربیت ہمارے لائحۂ عمل کا تیسرا جز اجتماعی اصلاح کی سعی ہے۔ یہ کام بھی جماعت ہر دور میں اپنی قوت و استعداد کے مطابق کرتی رہی ہے، اور جیسے جیسے ہمارے وسائل بڑھتے گئے ہیں، ہم اس کا دائرہ وسیع کرتے چلے گئے ہیں۔ اب اپنی موجودہ طاقت اور وسائل کو دیکھتے ہوئے ہم محسوس کرتے ہیں کہ معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح کا ایک پروگرام لے کر ہم چل سکتے ہیں۔ اس پروگرام میں ہم نے اُن کاموں کا ذکر نہیں کیا ہے جو پہلے سے ہمارے مستقل شعبوں کی شکل میں کام کر رہے ہیں، مثلاً خدمت خلق اور شعبۂ محنت کاراں وغیرہ۔ بلکہ اس میں صرف عمومی اصلاح کے کاموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے یہ کام متفرق طور پر تھوڑے بہت کہیں کہیں ہو رہے تھے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ جماعت ایک منظم طریقے سے باقاعدہ ایک مہم کے طور پر ایک منصوبہ بنا کر انہیں چلائے اور جن جن علاقوں میں اس کو کارکن اور ذرائع میسر آتے جائیں وہاں ایک ترتیب کے ساتھ انہیں آگے بڑھاتی چلی جائے۔ اب ہر علاقے کی جماعتِ اسلامی کو ان کاموں کا حساب اپنے کارکنوں سے لینا اور اپنے اوپر کے نظم کو دینا ہوگا۔ اب انہیں خود بھی یہ دیکھنا ہوگا اور بالائی نظم کو بھی یہ دکھانا پڑے گا کہ کن کن بستیوں میں اس سلسلے کا کیا کام ہو رہا ہے اور کس تدریج و ترتیب کے ساتھ وہ دوسری بستیوں کی طرف پھیل رہا ہے۔

اس پروگرام میں سردست حیاتِ اجتماعی کے مختلف گوشوں کے لیے کام کا جو نقشہ بنایا گیا ہے وہ یہ ہے:

مذہبی گوشے میں کارکنان جماعت کو یہ کام کرنے ہوں گے۔ (۱) عوام الناس کو اطاعت خدا و رسول کی طرف بلانا، ان میں آخرت کی بازپرس کا احساس بیدار کرنا، ان کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرنا، اور انہیں اسلام کی حقیقت سمجھانا۔ (۲) عام لوگوں کو اُن ضروری احکام دینی سے باخبر کرنا جن کا جاننا مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ (۳) مساجد کی حالت درست کرنا اور ان کے لیے مسلم معاشرے میں مرکزی اہمیت پیدا کرنا۔ (۴) مذہبی جھگڑوں کو روکنا اور لوگوں کو اس کشمکش کے نقصانات کا احساس دلانا۔

اخلاقی گوشے میں ہمارے کارکنوں کو تین کاموں پر اپنی قوت صرف کرنی ہوگی: (۱) غنڈہ گردی کا انسداد۔ (۲) ہر قسم کے فواحش کا انسداد۔ اور (۳) رشوت و خیانت کی روک تھام۔ ان اغراض کے لیے ہم صرف اخلاقی تلقین ہی پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے، بلکہ معاشرے کے شریف عناصر کو ان برائیوں کے مقابلے میں منظم کر کے ان کے

خلاف عملی جدوجہد بھی کرنا چاہتے ہیں۔

معاشی گوشے میں ہم کوشش کریں گے کہ تین طرح کی خدمات انجام دی جائیں: (۱) توخذ من اغنیاءھم فترد علی فقراءھم کے شرعی اصول پر بستیوں کے غریبوں، محتاجوں اور معذوروں کی باقاعدہ اعانت کا انتظام کیا جائے اور اس کے لیے انہی بستیوں کے ذی استطاعت لوگوں سے مدد لی جائے (۲) سرکاری محکموں اور اداروں سے عام لوگوں کی شکایات رفع کرائی جائیں، اور داد رسی حاصل کرنے کے معاملے میں جس حد تک ممکن ہو ان کی مدد کی جائے (۳) بستیوں کے لوگوں میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ وہ خود ہی مل جل کر اپنی بستیوں کی صفائی اور راستوں کی درستی اور حفظانِ صحت کا انتظام کر لیا کریں۔

تعلیمی گوشے میں ہماری کوشش یہ ہو گی کہ جگہ جگہ بستیوں اور محلوں میں دارالمطالعے اور تعلیم بالغان کے مراکز قائم کیے جائیں۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں بستیوں کے لوگ مالی ذرائع فراہم کرنے پر تیار ہوں وہاں ایسے پرائمری اسکول قائم کرنا بھی اسی پروگرام کا ایک جز ہے جن میں سرکاری نصاب پڑھانے کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ہو۔

اس تفصیلی تجزیے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس پروگرام میں لائحہ عمل کے ابتدائی تین اجزاء میں سے ہر ایک کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے موجودہ وسائل کے لحاظ سے یہ پروگرام نہ بہت ہلکا ہے نہ بہت بھاری۔ اسی لیے قرارداد میں اسے "کافی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تاہم اگر کوئی اور کام بھی ایسا ہو جو ہمارے نصب العین کے لیے ذہن ہموار کرنے، یا اس کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ضروری ہو اور ہمارے وسائل اس کے متحمل ہوں، تو ہم ہر وقت اس پروگرام میں اس کا اضافہ کر سکتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ اس پروگرام کی تفصیلات دیکھ کر بعض لوگوں پر یہ اثر بھی پڑے کہ یہ تو ایک بڑا لمبا چوڑا پروگرام بنا کر رکھ دیا گیا ہے جس پر عمل درآمد ہونا مشکل ہے۔ ایسا تاثر اگر کسی کا ہے تو درحقیقت یہ ایک سطحی تاثر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کھانا پکانے کے عمل کی جزئیات و تفصیلات کاغذ پر پڑھ کر یا کسی کی زبان سے سن کر ہول کھا جائے اور سمجھے کہ بھلا اتنے کام کون نمٹا سکتا ہے۔ حالانکہ کام کرنے والے ہاتھ روزانہ دو دو اور تین تین مرتبہ ان سارے کاموں کو نمٹاتے رہتے ہیں اور اپنے ایک ایک عمل میں ان بہت سی تفصیلات کو سمیٹتے چلے جاتے ہیں جو کاغذ پہ بکھری ہوئی بہت نظر آتی ہیں۔

(باقی)